۴۷

محمّد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور گروپ کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت

پچھلی سورہ ـــــ سورۂ احقاف ـــــ پر اس گروپ کی مکی سورتیں تمام ہوئیں۔ اب آگے تین سورتیں مدنی ہیں۔ سورۂ احقاف کے بعد یہ سورہ اس طرح بلا تمہید شروع ہو گئی ہے گویا احقاف کی آخری آیت میں کفار کے لیے جو وعید ہے اس میں اس کا عملی ظہور ہے۔ پچھلی سورتوں میں آپ نے دیکھا کہ یہ حقیقت اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے کہ قریش اور ان کے حامی اہل کتاب جس باطل کی حمایت میں لڑ رہے ہیں نہ آفاق و انفس اور عقل و فطرت کے اندر اس کی کوئی بنیاد ہے نہ انبیاء کی تاریخ اور آسمانی صحیفوں میں اس کی کوئی شہادت ہے۔ یہ گھورے پر اگا ہوا ایک درخت ہے جس نے محض اس وجہ سے جگہ گھیر رکھی ہے کہ اس کو اکھاڑنے والا ہاتھ موجود نہیں ہے۔ اب اس سورہ اور اس کے بعد کی دونوں سورتوں میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ اس کو اکھاڑ پھینکنے والے ہاتھ اللہ نے پیدا کر دیے ہیں اور تقدیر کا یہ اٹل فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ کفار کی وہ تمام کوششیں رائگاں ہو کے رہیں گی جو انھوں نے خلق کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے صرف کی ہیں۔ ساتھ ہی اہل ایمان کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ ان کی مساعی اس دنیا میں بھی بارآور ہوں گی اور آخرت میں بھی وہی سرخرو ہوں گے بشرطیکہ وہ اپنے فرائض پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ ادا کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ اسی ضمن میں منافقوں کو دھمکی دی گئی ہے جو مدعی تو ایمان کے تھے لیکن ان کی ہمدردیاں کفار اور اہل کتاب کے ساتھ تھیں۔ ان کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ اگر انھوں نے اس نفاق کو چھوڑ کر یکسوئی کے ساتھ اللہ اور رسول کا ساتھ نہ دیا تو ان کا بھی وہی حشر ہونا ہے جو کفار و مشرکین کے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۳) اس فیصلۂ الٰہی کا اعلان کہ کفار نے چونکہ اپنی تمام جدوجہد باطل کی پیروی اور اس کی حمایت میں صرف کی ہے اس وجہ سے یہ بالکل رائگاں جائے گی۔ اس کے برعکس اہل ایمان نے اپنے رب

کی طرف سے آئے ہوئے حق کی پیروی کی ہے اور اس راہ میں قربانیاں دی ہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی دنیا اور آخرت دونوں میں برومند کرے گا۔

(۴-۱۲) اہلِ ایمان کی حوصلہ افزائی کہ اگر ان کفار سے جنگ کی نوبت آئے تو تم ان سے ذرا مرعوب نہ ہونا۔ یہ بالکل بے ثبات و بے بنیاد ہیں۔ ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دینا۔ ان کا قافیہ اس طرح تنگ کر دو کہ یا تو تمھارے احسان کے طفیل رہائی پائیں یا فدیہ دے کر جان چھڑائیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان سے نمٹنے کے لیے خود کافی ہے لیکن وہ تمھارا امتحان کرنا چاہتا ہے اس وجہ سے تم کو یہ حکم دے رہا ہے۔ اگر تم اللہ کی مدد کے لیے اٹھو گے تو اللہ تمھاری مدد فرمائے گا اور تمھارے دشمن ذلیل و پامال ہوں گے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان سے پہلے جن قوموں نے حق کی مخالفت کی اللہ نے ان کو پامال کر دیا۔ یہی حشر تمھارے ان دشمنوں کا بھی ہونا ہے۔

(۱۳-۱۵) قریش کو قوت و شوکت کا جو غرّہ ہے یہ بالکل بے بنیاد ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا جو ہر اعتبار سے ان پر فوقیت رکھتی تھیں۔ یہی اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔ دلیل و برہان کی روشنی میں زندگی گزارنے والے اور اپنی خواہشوں کے پیچھے آنکھ بند کر کے چلنے والے یکساں کس طرح ہو سکتے ہیں! لازم ہے کہ دونوں کا انجام مختلف ہو۔ چنانچہ دلیل و برہان کی روشنی میں چلنے والوں کا انجام جنت ہے جس میں ان کے لیے یہ یہ نعمتیں ہوں گی اور خواہشوں کی پیروی کرنے والوں کے لیے دوزخ ہے جس میں ان کا انجام یہ ہو گا۔ بالاجمال جنت اور دوزخ دونوں کے احوال کی تصویر۔

(۱۶-۱۹) مسلمانوں کے اندر کے مارِ آستین گروہ ——— منافقین ——— کی طرف اشارہ کہ یہ لوگ پیغمبر کی باتیں بظاہر سنتے تو ہیں لیکن سمجھتے کچھ بھی نہیں۔ جن باتوں سے اہلِ ایمان کے ایمان اور ان کے تقویٰ میں افزونی ہوتی ہے ان سے ان کے نفاق میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ فیصلہ کی گھڑی کے منتظر ہیں حالانکہ پیغمبر کی بعثت کے بعد اس کے ظہور کی شرطیں پوری ہو چکی ہیں۔ اگر وہ گھڑی اچانک آ دھمکی تو پھر اس موعظت سے فائدہ اٹھانے کا موقع کہاں باقی رہے گا جو اللہ نے ان کے لیے نازل فرمائی ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کہ تم اپنے لیے اور اہلِ ایمان کے لیے اپنے رب سے مغفرت مانگو، کیا عجب کہ عذاب سر پر آیا کھڑا ہو۔

(۲۰-۳۱) منافقین کے باطن اور ان کی پس پردہ سازشوں کی پردہ دری کہ یہ محض زبان کے غازی ہیں۔ پہلے تو آگے بڑھ بڑھ کر مطالبہ کر رہے تھے کہ جہاد کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا لیکن جب جہاد کا حکم دے دیا گیا تو ان پر خوف سے موت کی غشی طاری ہو رہی ہے۔ یہ لوگ درحقیقت دین سے منہ موڑ چکے ہیں۔ ان کا ساز باز اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ہے۔ یہ ان کو اطمینان دلا رہے ہیں کہ اگر آپ لوگوں پر کوئی سخت وقت آیا تو ہم آپ ہی کا ساتھ دیں گے۔ ان کے نفاق اور ان کی سازشوں سے اللہ تعالیٰ اچھی طرح باخبر ہے۔ اگر وہ چاہتا

تو ان کی پیشانیوں سے ان کے نفاق کی گواہی دلوا دیتا اور ہر شخص ان کو پہچان لیتا لیکن ابھی وہ ان کو مہلت دے رہا ہے تاہم وہ ایسے امتحانوں میں ان کو ڈالے گا جو ان کے ہر کھوٹ کو ظاہر کردیں گے۔

(۳۲ - ۳۸) خاتمۂ سورہ جس میں ابتدائے سورہ کے مضمون کی یاددہانی کے بعد مسلمانوں کو عام طور پر اور منافقین کو خاص طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ اور رسول کے ہر حکم کی اطاعت کرو۔ اگر اس میں کمزوری دکھائی تو تمہارے تمام اعمال رائگاں جائیں گے۔ اب کفار میں کوئی دم خم باقی نہیں رہا ہے اس وجہ سے جو لوگ ان سے سمجھوتے کی سکیمیں سوچ رہے ہیں وہ گرتی دیوار کے سایہ میں پناہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ عزم و حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھو۔ اگر تم آگے بڑھے تو بازی تمہاری ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ اس دنیائے دُنی کی محبت میں پھنس کر اللہ کی راہ میں انفاق سے جی نہ چراؤ۔ یہ خسارے کا سودا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے پیسہ پیسہ کا اجر دے گا۔ وہ تم سے تمہارے کل مال کا مطالبہ نہیں کر رہا ہے کہ تم اس سے جی چراؤ۔ اگر وہ ایسا کرتا تو جن لوگوں کے دلوں میں نفاق اور حسد ہے ان کا سارا بھرم کھل جاتا۔ یاد رکھو کہ جو اللہ سے بُخل کرتا ہے وہ خود اپنی ہی جان سے بُخل کرتا ہے۔ خدا کسی کے مال کا محتاج نہیں ہے وہ بالکل بے نیاز ہے۔ البتہ تم اللہ کے محتاج ہو۔ یہ تمہارا امتحان ہو رہا ہے۔ اگر تم اس امتحان میں فیل ہو گئے تو اللہ تمہاری جگہ دوسروں کو لائے گا جو تمہاری طرح نکمے نہیں ہوں گے۔

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ (۴۷)

مَدَنِيَّةٌ — آيات ۳۸

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۱﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ ۙ كَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَاَصۡلَحَ بَالَهُمۡ ﴿۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَـقَّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَهُمۡ ﴿۳﴾ فَاِذَا لَقِيۡتُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡهُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ‌ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعۡدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الۡحَـرۡبُ اَوۡزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ؕ ۛ وَلَوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانۡتَصَرَ مِنۡهُمۡ وَلٰـكِنۡ لِّيَبۡلُوَا۟ بَعۡضَكُمۡ بِبَعۡضٍ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَنۡ يُّضِلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۴﴾ سَيَهۡدِيۡهِمۡ وَيُصۡلِحُ بَالَهُمۡ‌ۚ ﴿۵﴾ وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَـنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ﴿۶﴾ يٰۤـاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَـنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ﴿۷﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّهُمۡ وَاَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ

آيات ۷، ۱۵-۱

مع

كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ع اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ
مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ
الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳ اَفَمَنْ كَانَ
عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا
اَهْوَآءَهُمْ ۝۱۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ
مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ
مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ
فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي
النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝۱۵

ترجمۂ آیات: ۱ - ۱۵

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا، اللہ نے ان کے تمام
اعمال رائگاں کر دیے اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے اور
ایمان لائے اس چیز پر جو محمد پر نازل کی گئی۔ اور وہی حق ہے ان کے رب کی جانب
سے۔ اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کا حال سنوار دیا۔ یہ اس وجہ

سے ہوا کہ جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے باطل کی پیروی کی اور جو لوگ ایمان لائے انھوں نے اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے حق کی پیروی کی۔ اس طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کر رہا ہے۔ ۱-۳

پس جب ان کافروں سے تمھارے مقابلہ کی نوبت آئے تو ان کی گردنیں اڑاؤ یہاں تک کہ جب ان کو اچھی طرح کچل کر دو تو ان کو مضبوط باندھ لو پھر یا تو احسان کرکے چھوڑنا ہے یا فدیہ لے کر یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یہ کام ہے تمھارے کرنے کا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے تم کو یہ حکم اس لیے دیا کہ ایک کو دوسرے سے آزمائے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے اللہ ان کے اعمال ہرگز رائگاں نہیں کرے گا، وہ ان کی رہنمائی منزلِ مقصود کی طرف کرے گا اور ان کا حال سنوار دے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا، جس کی ان کو شناخت کرادی ہے۔ ۴-۶

اے ایمان والو، اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم اچھی طرح جمائے گا۔ رہے وہ جنھوں نے کفر کیا تو ان کے لیے ہلاکی ہے اور اللہ نے ان کے اعمال رائگاں کردیے۔ یہ اس سبب سے کہ انھوں نے اس چیز کو برا جانا جو اللہ نے اتاری پس اللہ نے ان کے اعمال ڈھا دیے۔ ۷-۹

کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوچکا ہے ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ نے ان کو پامال کر چھوڑا اور ان کافروں کے سامنے بھی انھی کی مثالیں آنی ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ اللہ اہلِ ایمان کا کارساز ہے اور

کافروں کا کارساز کوئی بھی نہیں - ۱۰-۱۱

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے عمل صالح کیے ایسی جنّتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی - اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اسی طرح بہرہ مند ہو رہے اور کھا رہے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں - دوزخ ان کا ٹھکانا ہے - ۱۲

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جو قوت میں تمھاری اس بستی سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں جس نے تم کو نکالا ہے - ہم نے ان کو ہلاک کر چھوڑا پس کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ بن سکا - ۱۳

کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہیں ان لوگوں کے مانند ہو جائیں گے جن کی بدعملی ان کی نگاہوں میں کھبا دی گئی ہے اور انھوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے! اس جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں نہریں ہوں گی پانی کی جس میں ذرا بھی تغیّر نہ ہوا ہوگا، اور نہریں ہوں گی دودھ کی جس کا ذائقہ تبدیل نہ ہوا ہوگا اور نہریں ہوں گی شراب کی جو پینے والوں کے لیے یکسر لذت ہوں گی اور نہریں ہوں گی صاف شفاف شہد کی اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے پھل بھی ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت بھی! کیا یہ لوگ جن کو یہ نعمتیں حاصل ہوں ان لوگوں کے مانند ہوں گے جو ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں اور جن کو اس میں گرم پانی پلایا جائے گا پس وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے کر کے رکھ دے گا - ۱۴-۱۵

ا۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعْمَالَہُمْ (۱)

کفارِ قریش کو وعید

سورۂ احقاف کفار کے لیے جس تہدید و وعید پر ختم ہوئی ہے اسی مضمون سے یہ سورہ بلاکسی تمہید کے، اس طرح شروع ہوگئی ہے گویا اسی تہدید و وعید کا یہ عملی ظہور ہے۔ فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکا اللہ نے ان کی تمام کوششیں رائگاں کردیں۔ یہ اشارہ ظاہر ہے کہ مشرکینِ مکہ کی طرف ہے۔ اس کی تفصیل سورۂ فتح کی آیت ۲۵ کے تحت آئے گی۔ 'اعمال' سے مراد ان کی وہ سرگرمیاں ہیں جو انھوں نے اللہ کے بندوں کو ایمان اور عملِ صالح کی راہ سے روکنے کے لیے صرف کیں۔ لفظ 'اضلال' یہاں اسی مفہوم میں ہے جس مفہوم میں سورۂ فیل میں لفظ 'تضلیل' استعمال ہوا ہے۔ وہاں فرمایا ہے: 'اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَہُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ' (الفیل: ۲) (کیا ان کی ساری چال اللہ نے نابود نہ کردی؟) یہ مضمون اسی سورہ کی آیات ۴، ۳۲ اور ۳۴ میں بھی آئے گا۔

یہاں یہ امر خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ یہ وعید اگرچہ ہے تو مستقبل سے متعلق اس لیے کہ اس سورہ کے نزول کے وقت قریش ابھی مکہ پر مسلط تھے لیکن اس کا بیان ماضی کے صیغہ سے ہوا ہے اس کی وجہ وہی ہے جس کی وضاحت اس کتاب میں جگہ جگہ ہم کرتے آرہے ہیں کہ جو بات اللہ تعالیٰ کے ہاں قطعی طور پر طے ہوگئی اور جس کا ظہور لازمی ہے وہ گویا واقع ہوچکی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو کوئی بدلنے پر قادر نہیں ہے۔ اس قطعیت کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے وعدے اور اس کی وعیدیں قرآن میں ماضی کے صیغوں سے بھی بیان ہوئی ہیں۔ یہ اسلوب ہر زبان میں معروف ہے اور اس کے فوائد بالکل واضح ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّہُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّہِمْ کَفَّرَ عَنْہُمْ سَیِّاٰتِہِمْ وَاَصْلَحَ بَالَہُمْ (۲)

اہلِ ایمان کے لیے بشارت

اوپر کی آیت میں کفار کے لیے جس درجے کی تہدید و وعید ہے اس آیت میں، اسی اسلوب بیان میں، اہلِ ایمان کے لیے، دنیا اور آخرت دونوں میں، فیروز مندی کی بشارت ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عملِ صالح بھی کیے، ان کے گناہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیے اور ان کے تمام احوال بالکل درست کردیے۔

تہدید و بشارت دونوں کے لیے ماضی کا اسلوب

جس طرح کفار کے لیے تہدید، قطعیت کے اظہار کے لیے ماضی کے اسلوب میں بیان ہوئی ہے اسی طرح اہلِ ایمان کے لیے بشارت بھی ماضی کے اسلوب میں بیان ہوئی ہے۔

اس آیت میں 'وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّہُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّہِمْ' کے الفاظ خاص

طور پر نگاہ میں رکھنے کے ہیں۔ صرف یہ نہیں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیے ان کے ساتھ اللہ کا یہ معاملہ ہو گا بلکہ اس کے ساتھ یہ تصریح بھی ہے کہ اس چیز پر ایمان لائے جو محمدؐ پر اتاری گئی ہے، پھر مزید تصریح یہ ہے کہ اب خدا کی طرف سے حق یہی ہے۔ اس تصریح کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ اس دور میں ایک گروہ ان لوگوں کا بھی پیدا ہو گیا تھا جو کفر اور اسلام دونوں کے درمیان سمجھوتے کی باتیں کرنے لگا تھا۔ اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مسلمانوں کا اپنی انفرادیت پر اصرار ٹھیک نہیں ہے بلکہ کچھ گنجائش دوسروں کے لیے بھی تسلیم کرنی چاہیے۔ اہل کتاب کے اندر بھی ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جو کہتا تھا کہ مومن تو ہم بھی ہیں، اس سے کیا فرق پیدا ہوا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں لائے۔ اس قسم کے باطل رجحانات کی بیخ کنی قرآن نے پچھلی سورتوں میں بھی کی ہے۔ یہاں بھی مذکورہ بالا تصریح نے اسی رجحان پر ضرب لگائی ہے کہ اب ایمان و ہدایت کا واحد راستہ وہی ہے جس کی دعوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں، اس سے ہٹ کر کوئی راہ نہیں ہے۔

'وَاَصۡلَحَ بَالَہُمۡ' لفظ 'بال' ایک جامع لفظ ہے۔ یہ ظاہر و باطن دونوں قسم کے احوال پر حاوی ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے معنی ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت دونوں کے تمام احوال درست کر دے گا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَہُمۡ (۳)

قوت صرف حق کے اندر ہے

یہ وجہ بتائی ہے اس بات کی کہ کیوں کفار کی تمام مساعی رائگاں ہوں گی اور کیوں اہل ایمان اپنی کوششوں میں سرخ رو اور فائز المرام ہوں گے فرمایا کہ ایسا اس وجہ سے ہو گا کہ کفار نے شیطان کے سکھائے ہوئے باطل کی پیروی کی ہے اور اہل ایمان نے اس حق کی پیروی کی ہے جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے۔ باطل کے لیے ان کی عقل اور اس کی فطرت کے اندر کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کی مثال خود رو جھاڑی کی ہے جو کسان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر اس کی زمین میں اُگ پڑتی ہے۔ اگر وہ اکھاڑی نہ جائے تو زمین میں جڑ پکڑ لیتی ہے اور اگر اکھاڑ دی جائے تو وہ بالکل بے ثبات ہوتی ہے۔ چنانچہ اب جب کہ اہل حق اس باطل سے نبرد آزمائی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو اس کا مٹ جانا یقینی ہے۔ 'جَآءَ الۡحَقُّ وَزَہَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَہُوۡقًا' (بنی اسرآءیل: ۸۱) (حق آگیا اور باطل نابود ہوا، بے شک باطل نابود ہی ہونے والی چیز ہے)۔

اس کے برعکس اہل ایمان نے اس حق کی پیروی کی ہے جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے۔ حق کی فطرت میں ثبات و استحکام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کائنات کا خالق حق ہے اور اس نے یہ دنیا 'بِالۡحَقِّ' پیدا کی ہے۔ اس کا اصلی مزاج باطل کی پرورش نہیں بلکہ حق کی پرورش ہے۔

اب جب کہ حق آ گیا ہے تو اس باطل کو لازماً ٹھکرا دے گی جو اکاس بیل کی طرح اس پر مسلط ہو گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصلی زور و قوت اسباب و وسائل کے اندر نہیں بلکہ حق کے اندر ہے۔ اگر کشمکش باطل اور باطل کے درمیان ہی برپا ہو تب تو فیصلہ کی میزان اسباب و وسائل کے ہاتھ ہی میں ہوتی ہے لیکن کشمکش اگر حق اور باطل کے درمیان ہو تو اصلی فیصلہ کن اہمیت حق کو حاصل ہو گی، اسباب و وسائل کی حیثیت ثانوی ہو جائے گی۔

'کَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ'۔ مومنین اور کفار کا یہ انجام جو بیان ہوا ہے اس کی نوعیت چونکہ اس مرحلہ میں ابھی ایک پیشین گوئی ہی کی تھی، اس نے واقعہ کی شکل نہیں اختیار کی تھی، اس وجہ سے اس کو تمثال بیان کرنے سے تعبیر فرمایا۔ 'لِلنَّاسِ' سے مراد یہی اہل ایمان اور کفار ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کے انجام کی یہ تمثیل بیان فرما دی ہے اور اس کی حقیقت عنقریب سب کے سامنے آ کے رہے گی۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ وَلٰكِنْ لِّیَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ط وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (۴)

کفار کے اندر ریڑھ کی ہڈی نہیں ہے

یہ مسلمانوں کو ابھارا ہے کہ کفار حق کے سہارے سے محروم ہیں اس وجہ سے ان کے اندر ریڑھ کی ہڈی گویا نہیں ہے تو جب جنگ میں ان سے مقابلہ ہو تو بے دریغ ان کی گردنیں مارو، اللہ نے ان کو تمہارے لیے شکار اور تمہاری تلواروں کے لیے ایک لقمۂ تر بنا دیا ہے۔ یہی بات سورۂ انفال میں یوں فرمائی گئی ہے: 'فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ' (الانفال: ۱۲) (پس ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور اور جوڑ جوڑ پر مارو)۔

'حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ'۔ 'اِثْخَان' کے معنی ہیں اچھی طرح خون ریزی کرنا اور 'وَثَاق' بندھن کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب اچھی طرح خون ریزی کر کے ان کے کس بل نکال چکو تو جو بچ رہیں ان کو اچھی طرح بندھنوں میں باندھ لو۔ یہ تمہارے سامنے چوں نہیں کر سکیں گے۔

'فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا'۔ یعنی اس کے بعد اگر یہ تمہارے ہاتھ سے چھوٹیں تو صرف دو ہی شکلوں سے چھوٹیں۔ یا تو تمہارے احسان کا قلادہ اپنی گردن میں لے کر یا فدیہ دے کر۔ اور تمہارا یہی معاملہ اس وقت تک ان کے ساتھ رہے جب تک ان کے اندر جنگ کا حوصلہ بالکل سرد نہ پڑ جائے اور یہ تمہارے آگے ڈگ نہ ڈال دیں۔ دوسرے مقام میں یہی بات یوں فرمائی گئی ہے: 'وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ' (الانفال: ۳۹) (اور ان سے جنگ

جاری رکھو یہاں تک کہ اس سرزمین سے فتنہ کا خاتمہ ہو جائے اور دین سارے کا سارا اللہ کا ہو جائے)۔

بنو اسمٰعیل کے معاملے کی خاص نوعیت

یہ امر واضح رہے کہ جہاں تک مشرکین عرب یا بالفاظ دیگر مشرکین بنی اسماعیل کا تعلق ہے ان پر اللہ تعالیٰ نے انہی کے اندر سے ایک رسول بھیج کر ان پر حجت تمام کر دی اس وجہ سے دوسرے غیر مسلموں کی طرح ان کے لیے یہ رعایت نہیں تھی کہ وہ اسلامی حکومت کے اندر ذمی یا معاہدین کر رہ سکیں یا ان کو غلام بنایا جا سکے۔ ان کے لیے صرف دو ہی راستے تھے یا اسلام قبول کریں یا تلوار۔ اس کے وجوہ کی تفصیل سورۂ برأت کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ کسی مسلمان قیدی کے فدیہ میں یا نقد و جنس کی شکل میں فدیہ لے کر یا احساناً ان کے کسی قیدی کو چھوڑا بھی جا سکتا تھا اور اگر ان میں سے کوئی اپنے رویہ پر غور کرنے کے لیے امان کا طالب ہو تو اس کو امان بھی دی جا سکتی تھی لیکن بحیثیت جماعت ان کے ساتھ جنگ کی حالت اس وقت تک باقی رہنی تھی جب تک سرزمین حرم کفر و شرک کے ہر شائبہ سے پاک نہ ہو جائے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کے اندر جو اختلافات ہیں وہ بڑی الجھن میں ڈالنے والے ہیں۔ اس کی وضاحت سورۂ برأت کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ یہاں معاملہ زیر بحث مشرکین بنی اسماعیل کا ہے، دوسرے غیر مسلموں کے مسئلہ پر یہاں بحث نہیں ہوئی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ جو یہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے قیدیوں کے باب میں احسان اور فدیہ کی اجازت منسوخ ہو گئی، وہ صرف قتل کیے جا سکتے ہیں یا غلام بنائے جا سکتے ہیں تو اس کا اتنا حصہ صحیح ہے کہ مشرکین عرب کے ساتھ یہ رعایت مؤقت تھی جو بالآخر فتح مکہ کے بعد ختم ہو گئی لیکن ان کا یہ فرمانا کہ وہ غلام بنائے جا سکتے ہیں ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ مشرکین عرب نہ غلام بنائے جا سکتے تھے نہ ذمی نہ معاہد۔

امام شافعیؒ کے نزدیک امام کو اختیار ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر، اس قسم کے قیدیوں کے ساتھ چار باتوں میں سے جو بات بھی مناسب خیال کرے، کر سکتا ہے۔ چاہے قتل کرا دے، چاہے غلام بنا لے، چاہے فدیہ لے کر چھوڑ دے، چاہے احساناً چھوڑ دے۔ ہمارے نزدیک امام شافعیؒ کی یہ رائے عام غیر مسلم قیدیوں کے حد تک تو صحیح ہے لیکن مشرکین عرب کے باب میں یہ کلیہ صحیح نہیں ہے۔ وہ ذمی یا غلام نہیں بنائے جا سکتے تھے۔ یہاں اس مسئلہ کی تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں ہے۔ تفصیل کے طالب ہماری کتاب "اسلامی ریاست" میں باب "اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق" کا مطالعہ کریں۔

'ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ'۔ 'ذٰلِكَ' ایک جملہ کا قائم مقام ہے۔ اس کی ایک سے زیادہ مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہو گا کہ یہ کام ہے جو تمہارے کرنے کا ہے۔ یا یہ کام ہے جس کے لیے کمر ہمت باندھو یا یہ کام ہے جس کے لیے تمہیں ہدایت کی جاتی ہے۔ اس قسم کے اجمال کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر تفصیل بھی سما جاتی ہے اور جملہ کے اندر زور بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

جہاد کی مصلحت

'وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ .... الآیۃ'۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں ان سے جنگ کا حکم جو دے رہا ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ وہ ان سے نمٹنے کے لیے تمھارا یا کسی کا محتاج ہے۔ وہ چاہتا تو خود ہی کوئی ارضی یا سماوی آفت بھیج کر ان کو ٹھکانے لگا دیتا۔ ان سے پہلے کتنی ہی قومیں گزر چکی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے چشم زدن میں اپنے کسی عذاب سے تباہ کر دیا۔ اسی طرح اللہ ان کو بھی تباہ کر دیتا لیکن اس نے تمھیں ان سے جنگ کا حکم اس لیے دیا کہ اس طرح تمھارا اور ان کا دونوں کا امتحان ہو۔ وہ اپنے باطل کی حمایت کے لیے جو جوش و جذبہ رکھتے ہیں وہ بھی سامنے آجائے اور تم اپنے حق کے لیے جو جذبہ فدویت و وفاداری رکھتے ہو وہ بھی بالکل ظاہر ہو جائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے کہ تمھارے اندر کتنے ہیں جو راستباز و وفا شعار ہیں اور کتنے ہیں جو محض منافقانہ اپنے مفادات کے لیے تمھاری صفوں میں آگھسے ہیں۔

ایک سنت الٰہی

یہاں اس سنتِ الٰہی پر بھی نگاہ رہے کہ رسولوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یوں رہا ہے کہ اگر رسول پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہوئی ہے تو رسول اور اس کے ساتھیوں کو ہجرت کا حکم ہوا ہے اور اس کے تمام مکذبین کو اللہ نے کسی ارضی یا سماوی عذاب سے تباہ کر دیا ہے اور اگر رسول کے ساتھیوں کی تعداد بھی معتد بہ ہوئی ہے تو ان کو جہاد کا حکم ہوا ہے اور ان کے ہاتھوں اللہ نے ان کے دشمنوں سے انتقام لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی معاملہ ہوا۔ آپ سے پہلے بھی نبیوں اور رسولوں کو جہاد کرنا پڑا ہے۔ فرعون کے مقابل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی مدد اللہ تعالیٰ نے سمندر کے طوفان سے کی۔ پھر دریا پار کرنے کے بعد ان کو متعدد چھوٹی بڑی جنگیں خود لڑنی پڑیں جن میں بنی اسرائیل کا اچھی طرح امتحان ہو گیا۔ وہ بیشتر امتحانوں میں ناکام رہے جس کی ان کو سزا بھگتنی پڑی۔

منافقین کے ایک گمان کی تردید

'وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ' فرمایا کہ اس جہاد میں جو لوگ شہید ہوں گے وہ اطمینان رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی رائگاں نہیں کرے گا بلکہ اس قربانی کا بھرپور صلہ ان کو دے گا۔ 'فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ' کے الفاظ ان منافقین کے خیال کو سامنے رکھ کر ارشاد ہوئے ہیں جن کا ذکر تفصیل سے آگے آ رہا ہے۔ یہ لوگ چونکہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے اس وجہ سے ہر وہ قربانی ان کے نزدیک خسارہ کے حکم میں تھی جس کا نفع ان کو نقد نقد حاصل نہ ہو جائے۔ یہ الفاظ انہی کے خیال پر ضرب لگانے کے لیے ارشاد ہوئے ہیں۔ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے باب میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ ان کو مردہ نہ خیال کرو، وہ زندہ ہیں، وہ بھی اسی قسم کے لوگوں کی تردید میں ہے۔

'وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا' میں مستقبل کی جگہ ماضی کا صیغہ اس لیے استعمال ہوا ہے کہ یہ بشارت ان لوگوں

پر بھی حاوی ہو جائے جو راہ حق میں اس سے پہلے قتل ہوئے۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (۵-۶)

اوپر والی آیت میں جو بات فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ کے منفی اسلوب میں فرمائی گئی ہے وہی بات یہ مثبت اسلوب میں ارشاد ہوئی تاکہ بات پوری طرح واضح اور مؤکد ہو جائے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو راہ یاب کرے گا اور ان کے جملہ حالات سنوار دے گا۔ ہدایت یاب کرنے سے مقصود یہاں منزلِ مقصود کی ہدایت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی آخری منزل ۔۔۔ جنت ۔۔۔ سے ان کو ہمکنار کرے گا۔ لفظ 'ہدایت'، قرآن میں جگہ جگہ اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی مثالیں پیچھے بھی گزر چکی ہیں، آگے بھی آئیں گی۔ 'يُصْلِحُ بَالَهُمْ' کے اجمال کے اندر وہ ساری تفصیل مضمر ہے جو اہلِ جنت کی سرفرازی و فیروزمندی سے متعلق قرآن میں مذکور ہوئی ہے بلکہ اس اجمال کے اندر ایک نہایت لطیف اشارہ ان فیروزمندیوں کی طرف بھی ہے جن کا ذکر فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدۃ: ۱۷) کے الفاظ سے ہوا ہے۔

جنت کا وعدہ کوئی مبہم وعدہ نہیں ہے

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ۔ یہ اسی ہدایت کی تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرے گا۔ اس جنت کے باب میں فرمایا کہ 'عَرَّفَهَا لَهُمْ' اللہ نے اچھی طرح اس کی شناخت کرا دی ہے۔ اس تصریح کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ جنت کا یہ وعدہ ایک مجمل و مبہم وعدہ ہے، کچھ نہیں معلوم کہ اس اسم کا مسمّٰی کیا ہے! اگر کوئی معاہدہ مبہم ہو اس کی تفصیلات واضح نہ ہوں تو کمزور فریق برابر اندیشہ میں رہتا ہے کہ معلوم نہیں وقت پر اس کی کیا تفسیر و تاویل سامنے آئے۔ جنت کے وعدے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس قسم کے اندیشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ کیا ہے کہ اس کی ساری تفصیلات سے ان کو قرآن میں آگاہ کر دیا ہے اور جو باتیں تعبیر و بیان کی گرفت میں نہیں آسکتی ہیں ان کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے تاکہ بندوں کو پورا اطمینان رہے کہ جس چیز کے عوض میں انھوں نے اپنی جانیں اپنے رب کے حوالہ کی ہیں وہ کوئی مبہم شے نہیں ہے بلکہ اس کی ساری تفصیلات طے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان میں سے ہر بات کے پورا کرنے کا ذمہ لیا ہے بلکہ ان پر مزید اضافوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ جنت کی یہ تعریف یوں تو پورے قرآن ہی میں بیان ہوئی ہے لیکن خاص طور پر اس سورہ میں بھی اس کی تفصیل مذکور ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ۱۵۔ یہ امر واضح رہے کہ 'عَرَّفَهَا لَهُمْ' کے الفاظ یہاں 'جنت'، کی صفت کے طور پر نہیں آئے ہیں۔ ایسا ہوتا تو لفظ 'جنت' کو نکرہ آنا تھا بلکہ ان کی حیثیت مستقل جملہ کی ہے اور اس کے مستقل جملہ ہونے ہی سے وہ مفہوم پیدا ہوتا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ

كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (۷-۹)

نصرتِ الٰہی کا ظہور کب ہوتا ہے

یہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہے کہ تمھارے کرنے کا کام یہ ہے کہ اللہ اور اس کے دین کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ اگر تم عزم و حوصلہ کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے تو آگے کا کام تمھارا رب سنبھال لے گا۔ وہ تمھاری مدد فرمائے گا اور تمھارے قدم اس طرح جمائے گا کہ کوئی ان کو اکھاڑ نہ سکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں سے صرف یہ چاہتا ہے کہ اس کی راہ میں پہلا قدم وہ اٹھائیں۔ اگر انھوں نے یہ قدم اٹھا دیا تو اس کے بعد اس کی شانیں ظاہر ہوں گی۔ ان لوگوں کے لیے اس کی مدد نہیں نازل ہوتی جو گھروں میں بیٹھے بیٹھے اس کا انتظار کرتے ہیں بلکہ ان لوگوں کے لیے نازل ہوتی ہے جو اپنے آپ کو میدان میں ڈال دیتے ہیں پھر اس کی نصرت کا انتظار کرتے ہیں۔

'وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ'۔ یہ کفار کا حشر بتایا کہ ان کے لیے خدا کی پھٹکار ہے اور ان کے تمام اعمال برباد و رائگاں ہو کر رہیں گے۔ ان کو جو مہلت ملی وہ محض امتحان اور اتمام حجّت کے لیے ملی۔ اب اگر تم ان سے نمٹنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوگے تو دیکھو گے کہ ان کی ساری کوششیں نابود ہو جائیں گی۔ 'تَعْسًا لَّهُمْ' لعنت اور پھٹکار کا جملہ ہے اور اس کا استعمال اسی طرح معروف ہے۔

کفار کی نامرادی کا سبب

'ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ'۔ یہ سبب بتایا ہے اس بات کا کہ کیوں یہ اس قدر بودے، بے ثبات اور خدا کی لعنت کے مستحق بن گئے ہیں؟ فرمایا کہ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے اس چیز سے نفرت کی جو ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اتاری اور اپنی بدعتوں اور ضلالتوں کے ساتھ چمٹے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے وہ اعمال بھی خدا نے رائگاں کر دیے جو انھوں نے دین کے کام سمجھ کر کیے۔ یہ ان کاموں کی طرف اشارہ ہے جو تھے تو نیکی کے لیکن ان کے شرک کے سبب سے وہ بالکل لاحاصل ہو کے رہ گئے۔ اس طرح کے کاموں میں سے بعض کا قرآن نے سورۂ براءت میں حوالہ بھی دیا ہے۔ مثلاً حرم کا اہتمام و انتظام اور حجاج کی خدمت۔ مشرکین کو اپنی ان خدمات پر بڑا ناز تھا۔ لیکن یہ تمام دین داریاں خدا کی میزان میں بالکل بے وزن ثابت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول صرف وہی اعمال ہوتے ہیں جو اس کے شرائط پر انجام دیے جائیں وہ کسی کی نیکی کا محتاج نہیں ہے کہ جس طرح بھی کوئی نیک عمل کر دیا جائے وہ ممنون ہو کر اس کو قبول کر لے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا (۱۰)

کفارِ قریش کی بے بصیرتی

یہ ان مشرکین کی کور چشمی اور بے بصیرتی پر اظہارِ افسوس ہے کہ کیا یہ لوگ اپنے ملک میں اس مقصد سے چلے پھرے نہیں کہ ان قوموں کا انجام دیکھتے جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں، اللہ نے ان کو بالکل پامال

کر دیا! آیت کے اسلوب سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ لوگ چلتے پھرتے تو رہتے، اپنے تجارتی سفروں پر برابر نکلتے رہتے ہیں لیکن ان بستیوں پر کبھی عبرت کی نگاہ انھوں نے نہیں ڈالی جو کسی زمانے میں عظیم قوموں کا مسکن تھیں لیکن اب وہ ویرانوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ یہ اشارہ ان قوموں کی طرف ہے جن کی سرگزشتیں پچھلی سورتوں میں سنائی جا چکی ہیں۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا، فرمایا کہ کافروں کے لیے تو انہی کی مثالیں ہیں یعنی جب، وہ اپنے کفر اور اپنی تکذیب کے نتیجہ میں اس انجام کو پہنچیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ (قریش) انہی کی روش اختیار کر کے اس سے کسی مختلف انجام سے دوچار ہوں۔ اللہ کا قانون سب کے لیے ایک ہی ہے ـــ اوپر آیت ۳ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (۱۱)

کفار کا کوئی کارساز نہیں

یعنی اس کائنات کا حقیقی کارساز و کارفرما تو اللہ تعالیٰ ہے اور وہ اہل ایمان کے ساتھ ہے تو وہ کفار ان کے مقابل میں کیا وزن رکھتے ہیں جن کا کوئی کارساز نہیں۔ وہ جن کو اپنا کارساز سمجھے ہوئے ہیں وہ نہ تو اس دنیا میں ان کے کام آنے والے ہیں، نہ آخرت میں ـــ اوپر آیت ۳ میں یہی مضمون ایک دوسرے اسلوب سے گزر چکا ہے۔ وہ بھی پیش نظر رہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (۱۲)

یہ اہل ایمان کے اعمال کے مثمر اور کفار کے اعمال کے رائگاں ہونے کی مزید وضاحت اور اس شبہ کا جواب ہے کہ جب کفار کے اعمال کی کوئی حیثیت نہیں تو اس دنیا میں وہ کیوں دندناتے پھر رہے ہیں؟ فرمایا کہ اہل ایمان کو تو اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ رہے یہ کفار تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اس دنیا میں ان کو کھانے پینے کی جو مہلت ملی ہے یہ کوئی خوش انجام چیز نہیں ہے۔ ان کا کھانا پینا جانوروں کے مانند ہے۔ یہ عقل و خرد سے عاری اور ان حقوق کے شعور سے بالکل نابلد ہیں جو اللہ کی نعمتیں ان پر عائد کرتی ہیں اس وجہ سے یہ چند روز ان نعمتوں سے فائدہ اٹھالیں لیکن یہ ان کے لیے موجب وبال ہوں گی اور ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہو گا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ (۱۳)

یعنی کسی کو اس غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ آج قریش کو بڑا زور و دبدبہ حاصل ہے، جب انھوں نے رسول اور اس کے ساتھیوں کو مکہ سے نکال چھوڑا تو ایسے زور آور لوگوں کو کون زیر کر سکتا ہے! فرمایا کہ کتنی بستیاں تھیں جو قوت و شوکت میں اس سے بڑھ چڑھ کر تھیں لیکن اللہ نے ان کو تباہ کر

دیا اور کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ بن سکا۔ یہ عاد و ثمود وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جن کی سرگزشتیں پچھلی سورتوں میں سنائی جا چکی ہیں اور قریش کو جن کی شوکت و عظمت کا پورا اعتراف تھا۔ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ میں ان کی اس دنیوی جمعیت کی نصرت کی بھی نفی ہے جس پر ان کو بڑا ناز اور اعتماد تھا اور ان مزعومہ شرکاء کی نصرت کی بھی نفی ہے جن کو وہ خدا کے مقابل میں اپنی سپر سمجھے ہوئے تھے۔

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم (۱۴)

اہل ایمان کے حسن انجام پر عقل و فطرت کی گواہی

اوپر کی آیت میں ان کے دنیوی انجام کی طرف اشارہ تھا اور اس کی دلیل تاریخ کی مثالوں سے پیش کی گئی ہے۔ یہ ان کے اخروی انجام کی طرف اشارہ ہے اور اس پر انسان کی عقل و فطرت کو گواہ ٹھہرایا گیا ہے۔ فرمایا کہ کیا وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہیں اور اس کی روشنی میں وہ چلتے ہیں اور وہ لوگ جن کی نگاہوں میں ان کی بدعملی کھبا دی گئی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں دونوں یکساں ہو جائیں گے؟ مطلب یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ بات عقل و فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دنیا ایک اندھیر نگری ہے اور اس کا بنانے والا نعوذ باللہ ایک کھلنڈرا ہے!

لفظ بَيِّنَة پر سورۂ یونس میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک حجت قاطع خود انسان کی فطرت کے اندر ودیعت فرمائی ہے اور اس کی مزید تائید اپنی وحی کی روشنی سے کی ہے۔ یہ دونوں چیزیں مل کر انسان کے باطن کو، جیسا کہ سورۂ نور کی تفسیر میں وضاحت ہو چکی ہے، نُّورٌ عَلَىٰ نُورٍ بنا دیتی ہے جس کی جگمگاہٹ لازماً اس کی ظاہری زندگی میں بھی نمایاں ہوتی ہے۔ برعکس اس کے جو شخص اپنی فطرت کے چراغ کو گل کر دیتا ہے وہ وحی کے نور سے بھی محروم رہتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن دونوں ہی تاریک ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کے ظاہر اور باطن دونوں میں اتنا عظیم تفاوت ہے وہ اپنے انجام کے اعتبار سے یکساں کس طرح ہو سکتے ہیں!

اس آیت پر تدبر کی نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ اہل ایمان کے ذکر میں تو صرف ان کے باطن کو نمایاں کیا ہے، ان کے ظاہر کا ذکر نہیں کیا ہے؛ اور اہل کفر کے ذکر میں ان کے ظاہر کا حوالہ دیا ہے، ان کے باطن کو نظر انداز کر دیا ہے۔ آپ تقابل کے اس اصول کی روشنی میں، جس کی مثالیں ہم دیتے آ رہے ہیں، اس خلا کو بھر لیجیے تب اس آیت کی بلاغت واضح ہوگی۔

آیت میں مَن کے لیے ضمیریں اور فعل واحد اور جمع دونوں شکلوں میں استعمال ہوئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واحد جمع، مذکر و مؤنث سب میں مشترک ہے۔

مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن

لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ ۚ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ۚ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ (۱۵)

جنت کی تمثیل

یعنی جب دونوں گروہوں کا انجام یکساں ہونا عقل و فطرت کے بالکل خلاف ہے تو لازم ہے کہ جس نے پاکیزہ فطرت اور اللہ کی ہدایت کی روشنی میں زندگی گزاری اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے نوازے اور جس نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی وہ اپنی ضلالت پسندی کی قرار واقعی سزا بھگتے۔ چنانچہ دونوں کا انجام بالکل مختلف ہوگا۔ اللہ نے اپنے متقی بندوں سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے جس کی تمثیل یہ ہے کہ اس میں بے آمیز خالص پانی کی نہریں ہوں گی، غیر متغیر دودھ کے چشمے ہوں گے، شراب کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لیے ہر فساد و ضرر سے پاک، یکسر لذت ہی لذت ہوں گی، اسی طرح صاف شفاف شہد کی نہریں ہوں گی، مزید برآں ان کے لیے ہر قسم کے میوے بھی ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے مستقل مغفرت کی بشارت بھی۔ برعکس اس کے دوسرے گروہ کے لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان کی پہلی ہی ضیافت ایسے گرم پانی سے ہوگی جو ان کی انتڑیوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔

نعمتوں کے بے آمیز ہونے کے پہلو پر ایک نظر

یہاں غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ جنت کی جن نعمتوں کا ذکر ہوا ہے ان کے خالص اور بے آمیز ہونے کو خاص طور پر نمایاں فرمایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نعمتیں جتنی بھی ہیں سب کا اصلی منبع جنت ہی ہے لیکن اس عالم ناسوت میں جب ہمیں وہ ملتی ہیں تو اتنے مراحل اور اتنے وسائل و وسائط سے گزر کر ملتی ہیں کہ ان کی حقیقت و ماہیت بھی بالکل بدل جاتی ہے اور ان کی شکل و صورت بھی بالکل مسخ ہو کے رہ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سب سے زیادہ عام چیز پانی ہی کو لیجیے، یہ فضاؤں، بادلوں، ہواؤں، دریاؤں، ندیوں، نالوں اور زمین کی تہوں کے کتنے مراحل طے کر کے ہم تک پہنچتا ہے! ظاہر ہے کہ ہر مرحلہ کے اثرات سے یہ متاثر ہوتا ہے جس کے سبب سے اس کا وہ مزاج، جو اس کے اصل منبع یعنی جنت میں ہے، بالکل بدل جاتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس دودھ کو لیجیے۔ اس دنیا میں یہ جن راستوں سے گزر کر ہمیں ملتا ہے اس کے متعلق خود قرآن کا بیان ہے کہ وہ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ (النحل: ۶۶) یعنی گوبر اور خون کے درمیان سے ہو کر ہم تک پہنچتا ہے۔ غور کیجیے کہ جنت کی جو نعمت اس راستہ سے گزر کر ہم تک پہنچے گی وہ اپنی اصلی مزاجی خصوصیات پر کس طرح باقی رہ سکے گی! اس وجہ سے جنت کے دودھ اور شہد اور اس دنیا کے دودھ اور شہد میں اتنا ہی فرق ہے جتنا فرق آسمان و زمین میں ہے۔ یہاں کی نعمتوں سے وہاں کی نعمتوں کا ایک مبہم سا تصور تو آپ کر سکتے ہیں اور یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی بھی اسی لیے ہیں کہ ہم ان مجازی نعمتوں سے ان حقیقی نعمتوں کا تصور کر سکیں لیکن دونوں میں نسبت بہر حال حقیقت و مجاز ہی کی ہے۔ اس نسبت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

خالص نعمتیں سلیم الفطرت لوگوں کے لیے خاص ہیں

آیت ۱۴ کے ساتھ اس آیت کے ربط پر اگر اچھی طرح تدبر کیجیے تو یہ حقیقت بھی سامنے آ جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں، ان کی اصل شکل میں، اپنے ان بندوں کے لیے خاص کر رکھی ہیں جو اپنی فطرت کو جس کو اللہ تعالیٰ نے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا (الروم: ۳۰) سے تعبیر فرمایا ہے، ہر قسم کے خلل و فساد سے محفوظ رکھیں گے اور قلب سلیم کے ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹیں گے۔ رہے وہ لوگ جو اپنی فطرت کو مسخ کر کے اپنی خواہشوں کے غلام بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قلب سلیم کو گندگیوں سے آلودہ کر لیں گے تو ان کے لیے ان نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ انھوں نے جتنا فائدہ اٹھانا تھا اس دنیا میں اٹھا لیا۔ آخرت میں ان کے لیے وہ عذاب ہی ہے جو اپنی فطرت کو مسخ کرنے کا لازمی نتیجہ ہے۔

آیت کا مدعا سمجھ لینے کے بعد ایک نظر الفاظ اور جملوں کے دروبست پر بھی ڈال لیجیے۔

'اٰسِنٌ' صفت کے طور پر اس پانی کے لیے آتا ہے جس کا رنگ اور ذائقہ تبدیل ہو چکا ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ فاسد پانی سے جو فسادِ نظام جسم میں پیدا ہوتا ہے اس کا علاج کسی طبیب کے پاس نہیں ہے۔

دودھ سے متعلق فرمایا کہ 'لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ' (اس کا ذائقہ تبدیل نہ ہوا ہو گا)۔ اس سے مراد ذائقہ کی وہ تبدیلی ہے جو اس کے فساد سے نمایاں ہوتی ہے۔ دودھ فطری غذا کی حیثیت رکھتا ہے اس وجہ سے اس کا فساد بھی ایک اہم فساد ہے۔

'خَمْرٌ' کی صفت 'لَذَّۃٍ' میں مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے جس طرح 'زَیْدٌ عَدْلٌ' میں مبالغہ کا مفہوم ہے۔ یعنی وہ یکسر لذت ہی لذت ہو گی، پینے والے اس سے نہ کسی قسم کی تلخی، ناگواری یا خمار کا احساس کریں گے نہ وہ بدمستی اور گناہ کی محرک ہو گی۔

'عَسَلٌ' کے ساتھ 'مُّصَفًّی' کی صفت اس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے کہ اس دنیا میں جو شہد میسر آتا ہے وہ بہرحال مکھیوں ہی کے واسطہ سے میسر آتا ہے جو ان کے غل و غش سے پاک نہیں ہو سکتا۔ جنت کا شہد اپنے اصل منبع سے نکلا ہوا ہو گا۔ اس پر کوئی مگس کی قے ہونے کی پھبتی چست نہ کر سکے گا۔

'وَمَغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ' کا ذکر آخر میں جنت کی سب سے بڑی نعمت کی حیثیت سے آیا ہے اس لیے کہ خدا کی مغفرت اور خوشنودی ہی ہے جو ان تمام نعمتوں کی ضامن بھی ہو گی اور اسی سے آگے کے مدارج کی راہیں بھی کھلیں گی۔

'کَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ' سے پہلے 'اَفَمَنْ کَانَ لَهٗ مِثْلُ هٰذِهِ الْجَنَّۃِ' یا اس کے ہم معنی الفاظ بربنائے قرینہ محذوف ہیں۔ استفہامیہ اور شرطیہ جملوں میں اس قسم کا حذف معروف ہے۔ پیچھے اس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔

'مَآءً حَمِیْمًا' کا ذکر اہل دوزخ کے لیے 'نُزُلٌ' یعنی اولین سامانِ ضیافت کی حیثیت سے آیا ہے۔

قرآن میں جگہ جگہ یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اہل دوزخ کی پہلی ضیافت کھولتے پانی سے ہوگی۔ اس کے بعد ان کے لیے ہر قسم کے عذاب کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

۲۔ آگے آیات ۱۶ ——— ۳۸ کا مضمون

آگے منافقین کے رویہ پر تبصرہ ہے اور یہی مضمون سورہ کے آخر تک چلا گیا ہے۔ منافقین کا ذکر یہاں بھی بعینہٖ اسی تقریب سے آیا ہے جس تقریب سے سورۂ نساء، سورۂ مائدہ، سورۂ انفال اور سورۂ برائت وغیرہ میں گزر چکا ہے۔ جب مسلمانوں کو ایک عظیم مہم کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا گیا تو ضروری ہوا کہ ان کے اندر کے اس گروہ کو بے نقاب کر دیا جائے جو مارِ آستین بن کر چھپا ہوا تھا اور آگے کے مراحل میں جس کی کمزوریاں اور ریشہ دوانیاں مسلمانوں کے لیے خطرہ بن سکتی تھیں۔ یہ مضمون تین حصوں میں تقسیم ہے۔

پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو تمھاری بات سنتا تو ہے لیکن سمجھتا کچھ بھی نہیں۔ یہ لوگ تمھاری باتوں پر یقین کرنے کے لیے کسی نشانیٔ عذاب کے منتظر ہیں۔ ان کو پتہ نہیں ہے کہ رسول کی بعثت ان لوگوں کے لیے عذاب کا دیباچہ ہوتی ہے جو اس پر ایمان نہیں لاتے۔

اس کے بعد ان کی بزدلی سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ زبان سے تو یہ جہاد کے لیے بڑے ولولہ کا اظہار کرتے رہے ہیں لیکن اب جب کہ نہایت واضح الفاظ میں اس کا حکم دے دیا گیا تو خوف سے ان کے اوپر موت کی غشی طاری ہو رہی ہے۔ یہ لوگ درحقیقت دین سے منہ موڑ چکے ہیں اور دشمنوں کے ساتھ ساز باز رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اب آزمائشوں کے ذریعہ سے وہ ان کے دلوں کے کھوٹ اور نفاق کو ظاہر کر کے رہے گا۔

آخر میں ابتدائے سورہ کے مضمون کو دہراتے ہوئے مسلمانوں کو بالعموم اور منافقین کو بالخصوص آگاہ فرمایا کہ ان لوگوں کا سہارا ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرو جن کی تباہی مقدر ہو چکی ہے۔ اب ان لوگوں کے ساتھ سمجھوتے کی راہیں سوچنے کی جگہ عزم و حوصلہ کے ساتھ دین کو سربلند کرنے کے لیے اٹھو۔ اللہ تم کو سرفرازی بخشے گا۔ اگر تم دنیا کی محبت میں پھنس کر اللہ سے منہ موڑ لو گے تو اللہ کو تمھاری کوئی پروا نہیں۔ وہ تمھاری جگہ دوسرے لوگوں کو لائے گا جو تمھاری طرح بزدل اور منافق نہیں ہوں گے۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۶-۳۸

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا

لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ
اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا
زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا
السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ
اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ
سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ
رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ
الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ
مَّعْرُوْفٌ ۟ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۟ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ
تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ
وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ
اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا
تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ
بَعْضِ الْاَمْرِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ

ع

الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ
اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾
اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾
وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ
الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ
الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ
مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيُحْبِطُ
اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾
فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ
مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ
وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ
اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ
اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

ع ۳ ۹

غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع ۴ / ۸

ترجمہ آیات ۱۶ - ۳۸

اور ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو تمھاری طرف کان تو لگاتے ہیں لیکن جب تمھارے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو علم والوں سے پوچھتے ہیں کہ ابھی انھوں نے کیا بات فرمائی! یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی اور انھوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے۔ اور وہ لوگ جنھوں نے ہدایت کی راہ اختیار کی اللہ نے ان کی ہدایت میں افزونی بخشی اور ان کے حصہ کی پرہیزگاری ان کو عطا فرمائی۔ ۱۶-۱۷

یہ لوگ تو بس اسی بات کے منتظر ہیں کہ قیامت ان پر اچانک آدھمکے۔ سو یاد رکھیں کہ اس کی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں تو جب وہ گھڑی آ ہی جائے گی تو ان کے لیے نصیحت حاصل کرنے کا موقع کہاں باقی رہے گا! تو جان رکھو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں پس اپنی اور باایمان مردوں اور عورتوں کی خطاؤں کی معافی مانگتے رہو اور اللہ جانتا ہے تمھاری آمد و شد کی جگہوں اور تمھارے ٹھکانوں کو۔ ۱۸-۱۹

اور وہ لوگ جو ایمان لائے کہتے تھے کہ کوئی سورہ (در باب جہاد) کیوں نہیں اتاری جاتی ؟ پس جب اتار دی گئی ایک واضح سورہ اور اس میں جنگ کا بھی ذکر ہوا تو جن کے دلوں میں روگ ہے ان کو تم دیکھتے ہو کہ وہ اس طرح تمھاری طرف دیکھ رہے ہیں گویا ان پر موت کی غشی طاری ہو۔ پس ان کے حال پر افسوس ہے! ان کے لیے پسندیدہ روش اطاعت اور قول معروف کی تھی پس جب معاملہ کا قطعی فیصلہ ہو جاتا تو اگر وہ اللہ سے راست باز ثابت ہوتے تو ان کے لیے یہ بات بہت بہتر ہوتی۔ پس اگر تم نے منہ پھیرا تو اس کے سوا تم سے کچھ متوقع نہیں کہ تم زمین میں فساد برپا کرو اور اپنے

رحمی روابط پر چھری چلاؤ۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پس ان کے کانوں کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں! بے شک جو لوگ، بعد اس کے کہ ان پر ہدایت ظاہر ہوگئی، پیٹھ پیچھے پلٹ گئے شیطان نے ان کو فریب دیا اور اللہ نے ان کو ڈھیل دے دی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے ان لوگوں سے، جنھوں نے اللہ کی اتاری ہوئی چیز کو برا جانا، کہا کہ بعض معاملات میں ہم آپ ہی لوگوں کی بات مانیں گے۔ اور اللہ ان کی اس رازداری کو جانتا ہے۔ تو اس وقت کیا ہوگا جب فرشتے ان کے موہنوں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوئے ان کی روحیں قبض کریں گے! یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے پیروی کی اس چیز کی جو خدا کو غصہ دلانے والی تھی اور نفرت کی اس کی خوشنودی سے۔ پس اللہ نے ان کے اعمال ڈھا دیے۔ ۲۰-۲۸

کیا ان لوگوں نے، جن کے دلوں میں روگ ہے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اللہ ان کے کینوں کو کبھی بے نقاب نہیں کرے گا، اور اگر ہم چاہتے تو تمھیں ان کو دکھا دیتے پس تم ان کی علامتوں سے ان کو پہچان لیتے اور تم ان کے لہجہ کے تذبذب سے تو ان کو پہچان ہی لوگے! اور اللہ تمھارے اعمال کو جانتا ہی ہے۔ ۲۹-۳۰

اور ہم لازماً تمھیں آزمائیں گے تاکہ تم میں سے جو مجاہد اور ثابت قدم ہیں ان کو ممیز کر دیں اور تمھارے حالات کو جانچ لیں۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور ہدایت کے واضح ہو چکنے کے بعد رسول کی مخالفت کی وہ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اللہ ان کے سارے اعمال ڈھا دے گا۔ ۳۱-۳۲

اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو

رائگاں نہ کرو۔ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا پھر اسی حالتِ کفر میں مر گئے، اللہ ان کو کبھی نہیں بخشنے گا۔ تو تم کمزور نہ پڑو اور سمجھوتے کی دعوت نہ دو اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کے باب میں تمہارے ساتھ کوئی خیانت نہیں کرے گا۔ ۳۳-۳۵

یہ دنیا کی زندگی تو بس کھیل تماشا ہے اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے اجر تم کو دے گا اور تمہارا مال سمیٹ کر تم سے نہیں مانگے گا۔ اور اگر وہ تم سے مانگے اور سمیٹ کر مانگے تو تم بخیلی کرو گے اور وہ تمہارے کینوں کو ظاہر کر دے گا۔ آگاہ! تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بخیلی کرتے ہیں۔ اور جو بخیلی کرتا ہے تو وہ یاد رکھے کہ وہ اپنے ہی سے بخیلی کرتا ہے، اللہ بالکل بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسروں کو لائے گا، پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔ ۳۶-۳۸

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۚ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ (۱۶)

منافقین کے ایک گروہ کی طرف اشارہ

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں سے خبردار کیا ہے جو بظاہر تھے تو مسلمانوں کے ساتھ لیکن ان کی ہمدردیاں تمام تر اسلام کے مخالفین کے ساتھ تھیں۔ ان لوگوں سے خبردار کرنے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ اوپر کی آیات میں مسلمانوں کو جس مہم کے لیے تیار ہونے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اس کو سب سے زیادہ نقصان اسی طرح کے لوگوں سے پہنچ سکتا تھا۔ فرمایا کہ انہی میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو تمہاری بات سننے کے لیے کان تو لگاتا ہے لیکن سنتا سمجھتا کچھ بھی نہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب یہ تمہارے پاس سے اٹھتے ہیں تو مجلس کے دوسرے اصحابِ علم سے پوچھتے ہیں کہ بھائی، ابھی ابھی انھوں

نے کیا فرمایا!

'مِنْهُمْ' کی ضمیر کا مرجع وہ گروہ ہے جس کا ذکر اوپر 'کَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ' کے الفاظ سے ہوا ہے۔ یعنی ایک گروہ تو تمھارے پاس اپنی بیزاری کی شدت کے باعث پھٹکتا ہی نہیں اور انھی میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو تمھارے پاس آتا تو ہے لیکن سننے سمجھنے کے لیے نہیں بلکہ بالکل منافقانہ آتا ہے۔

'مَاذَا قَالَ اٰنِفًا' کے سوال سے ایک تاثر تو وہ لوگوں کو یہ دینا چاہتے کہ جہاں تک بات سننے کا تعلق ہے وہ تو ہم نے بھی سنی اور اس پر عمل کرنے کے لیے بھی ہم جی جان سے حاضر ہیں لیکن ابھی تو بات ہی ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ فرمانا کیا چاہتے ہیں؟ اس طرح وہ اپنی منافقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے۔

دوسرا تاثر یہ دینا چاہتے کہ یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ بے سوچے سمجھے ان پر آمنّا وصدّقنا کہہ دیا جائے بلکہ ان پر اچھی طرح غور کرنے اور ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ گویا درپردہ وہ ان مسلمانوں کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات پر آمنّا وصدّقنا کہتے، اپنے اس فقرے سے دل شکنی کرتے کہ تم لوگ محض سادہ لوحی کے سبب سے ان کی ہر بات پر سر تسلیم خم کر دیتے ہو، ہم تو ان کی باتیں بہت توجہ سے سنتے ہیں لیکن ان کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ واضح رہے کہ یہ طریقہ کسی کی عمدہ سے عمدہ بات کو مشتبہ بنا دینے کے لیے ایک نہایت کارگر طریقہ ہے۔ اسی مقصد سے یہ منافقین بعض اوقات یہ بھی کرتے کہ جب کوئی سورہ نازل ہوتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سناتے تو یہ مجلس سے اٹھنے کے بعد طنزیہ انداز میں یہ سوال کرتے کہ بھئی! بتاؤ اس سورہ سے کس کس کا ایمان تازہ ہوا ہے! سورۂ توبہ میں ان کی اس شرارت کا ذکر یوں آیا ہے۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبۃ: ۱۲۴-۱۲۵)	اور جب کوئی سورہ اتاری جاتی ہے تو ان میں بعض یہ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کس کا ایمان اس نے تازہ کیا ہے! تو جو ایمان لائے ان کے ایمان کو تو اس نے زیادہ کیا اور وہ اس سے بشارت حاصل کرتے ہیں۔ رہے وہ جن کے دلوں میں روگ ہے تو اس نے ان کی ناپاکی پر مزید ناپاکی کا اضافہ کیا اور وہ کفر ہی کے حال میں مرے۔

'اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ'۔ فرمایا کہ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور انھوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی ہے۔ یہ اوپر کی آیت ۱۴ 'كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ' کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی بدعملی ان کی نگاہوں میں کھبا دی گئی ہے اور یہ اپنی خواہشوں کے پیرو بن گئے ہیں اس وجہ سے اب یہ اسی انجام سے دوچار ہوں گے جو اس طرح

کے لوگوں کے لیے مقدّر ہو چکا ہے۔ اس طرح کے لوگ اپنے آپ کو اس نورِ بصیرت سے محروم کر لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ودیعت فرمایا ہے اس وجہ سے وہ وحی کے نور سے محروم ہی رہتے ہیں اور ان کی بدعملی کے سبب سے ان کے دلوں پر مہر کر دی جاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ (۱۷)

جنھوں نے اپنے نورِ فطرت کی حفاظت کی ان کے نور میں اضافہ ہوا

یہ وہی مضمون ہے جو سورۂ نور کی اس آیت میں بیان ہوا ہے جس کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے کہ جن کا نورِ فطرت بجھا نہیں تھا بلکہ انھوں نے اس کو محفوظ رکھا اللہ نے اپنے نبی کی صحبت سے ان کی ہدایت میں اضافہ فرمایا اور ان کی استعداد اور طلب کے اعتبار سے ان کے تقویٰ میں برکت بخشی۔ رہے وہ لوگ جو اپنے اندر نفاق کی پرورش کرتے رہے تو ان سے وہ بھی چھین لیا گیا جو ان کو بخشا گیا تھا۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ (۱۸)

جو عذاب کے منتظر ہیں ان کے لیے عذاب ہی ہے

یعنی اگر پیغمبر کی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ اب فیصلہ کی گھڑی ہی کے انتظار میں ہیں کہ وہ اچانک ہی ان کے سر پر آ دھمکے۔ 'السَّاعَۃ' سے مراد قیامت بھی ہو سکتی ہے اور وہ فیصلہ کن عذاب بھی جو رسول کی تکذیب کی صورت میں لازماً اس کی قوم پر آ جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ان دونوں ہی عذابوں سے اپنی اپنی قوموں کو آگاہ کرتے رہے ہیں اور ان دونوں میں نسبت مقدمہ اور تتمہ کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان لوگوں پر اپنا کرم فرمایا کہ خطرہ سے آگاہ کرنے کے لیے اپنا رسول بھیجا اور اپنی کتاب نازل فرمائی تاکہ جب وہ فیصلہ کی گھڑی آئے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ان کے پاس کوئی آگاہ کرنے والا نہیں آیا لیکن ان کا حال یہ ہے کہ یہ جان کر انجان بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر یہ انجان بن رہے ہیں تو بنیں اللہ تو اپنا رسول آخری اتمامِ حجت کے لیے بھیجتا ہے۔ اگر اس کی تذکیر سے بھی ان کے کان نہ کھلے تو اب آخری چیز عذاب اور قیامت ہی ہے۔ اب یہ اسی سے دوچار ہوں گے اور جب یہ پیشگی آگاہی کی قدر نہیں کر رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اچانک ہی ان پر آ جائے۔

عذاب کی علامتیں

'فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا' یعنی عذاب کی گھڑی کا انتظار ہے تو انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی علامتیں اب نمایاں ہو چکی ہیں۔ یہ اشارہ اس سنتِ الٰہی کی طرف ہے جس کی وضاحت پچھلی سورتوں میں تفصیل سے ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ کن عذاب اس وقت تک کسی قوم پر نہیں بھیجتا جب تک اس کی مرکزی بستی میں اپنا رسول نہ بھیج لے۔ یہ چیز واقع ہو چکی اور اللہ تعالیٰ یہ دیکھ رہا ہے کہ قوم کے لوگ رسول کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ اب تک قوم نے جو کچھ کیا ہے وہ متقتضی تو عذاب ہی کا ہے لیکن اللہ تعالیٰ مزید مہلت دے رہا ہے کہ جس کو سنبھلنا ہو وہ چاہے تو اب بھی سنبھل جائے۔

اگر لوگ اب بھی نہ سنبھلے تو خدا کا قانون ظاہر ہو کے رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو الگ کرلے گا اور ان لوگوں کو تباہ کردے گا جو سرکشی اور فساد پر اڑے رہ جائیں گے۔ اس انجام کے آثار آفاق اور انفس دونوں میں نمایاں ہو رہے ہیں اور آگے یہ مزید نمایاں ہوں گے۔ یہاں تک کہ ایمان لانے والوں اور کفر کرنے والوں کی عدالت اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کردے گا اور یہ عدالت تمہید اور توطیہ ہوگی اس عدالتِ کبریٰ کی جو اس کے بعد آخرت میں قائم ہوگی۔ آخری رسول کی بعثت، اور اس کی طرف سے اتمامِ حجت کے بعد اب آگے اسی کا مرحلہ ہے۔ چنانچہ بعض احادیث میں حضورؐ نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آپ نے اپنی دو انگلیوں کو اٹھا کر فرمایا کہ جس طرح ان دونوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے اسی طرح میری بعثت اور قیامت کے مابین بھی کوئی فاصلہ نہیں ہے۔

'فَاَنّٰی لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ'۔ 'جَآءَتْ' کا فاعل 'اَلسَّاعَةَ' ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں گزر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ رسول پر ایمان لانے کے لیے فیصلہ کی گھڑی کے منتظر ہیں تو خواہ وہ فیصلہ کن عذاب کی شکل میں ظاہر ہو یا قیامت کی صورت میں، اس وقت ان کے لیے یاد دہانی اور نصیحت حاصل کرنے کا موقع کہاں باقی رہے گا! اس تذکیر سے فائدہ اٹھانے کا موقع تو اسی وقت تک ہے جب تک وہ پردے میں ہے۔ اس کے بے نقاب ہوجانے کے بعد تو کسی کے ایمان کی قیمت دو کوڑی کے برابر بھی نہ ہوگی۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ (۱۹)

یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اب فیصلہ کی گھڑی قریب آ لگی ہے تو تم اس بات کو اچھی طرح جان رکھو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ جو لوگ اپنے فرضی دیویوں دیوتاؤں کے بل پر اس سے بےخوف ہیں ان کو اس وقت اچھی طرح معلوم ہوجائے گا کہ خدا کے مقابل میں کوئی بھی ان کی مدد کرنے والا نہیں ہے۔

عذاب سے بچنے کے لیے تیاری کی ہدایت

'وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ'۔ یہ اس وقت کی آفات سے محفوظ رہنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیاری کی ہدایت ہے کہ جو لوگ اس سے بےخوف ہیں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، تم اپنی کوتاہیوں اور مومنین و مومنات کی کوتاہیوں کی اپنے رب سے معافی مانگتے رہو۔

یہ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے وکیل اور شفیع کی حیثیت سے ہے۔ اللہ کا رسول اپنے تمام ساتھیوں کا، خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، بوجھ اپنے سر پر اٹھائے ہوئے برابر اپنے لیے بھی اور ان کے لیے بھی استغفار کرتا رہتا ہے۔ اس عمل کو مزید اہتمام و سرگرمی کے ساتھ جاری رکھنے کی یہ ہدایت ہوئی تاکہ فیصلہ کی گھڑی جب ظاہر ہو تو اہلِ ایمان اس کی آفتوں سے محفوظ رہیں۔

یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف 'ذنب' کی نسبت، اول تو، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، امت کے وکیل کی حیثیت سے ہے نہ کہ براہِ راست اس کے ذمہ دار کی حیثیت سے۔ پھر انبیاء علیہم السلام سے جو خطائیں صادر ہوتی ہیں وہ اتباعِ ہوا کی نوعیت کی نہیں ہوتیں بلکہ صرف یہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی وہ اتباعِ حق میں اس کے متعین حدود سے متجاوز ہو جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔ اس قسم کا تجاوز بجائے خود کوئی معصیت نہیں ہے لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ حق و باطل کے امتیاز کے لیے کسوٹی ہوتے ہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی اس طرح کی باتوں پر بھی گرفت اور ان کی اصلاح فرماتا رہتا ہے۔

پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو حفاظت کی ضمانت

'وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ'۔ 'مُتَقَلَّب' مصدری معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور ظرف کے مفہوم میں بھی۔ ہم نے لفظ 'مَثْوٰى' کی رعایت سے اس کو ظرف کے مفہوم میں لیا ہے۔ یعنی آمد و شد کی جگہ۔

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے کہ اگر تم برابر اپنے رب سے استغفار کرتے رہے تو جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تعالیٰ تم کو اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ وہ تمہاری آمد و شد کی جگہوں اور تمہارے ٹھکانوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ تم عذاب کی زد میں آجاؤ۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ (۲۰)

منافقین کا جہاد سے فرار

یہ انہی منافقین کے اس رویے کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے جہاد کا حکم بالفاظ صریح (مذکورہ آیت نمبر ۴) سننے کے بعد اختیار کیا۔ فرمایا کہ پہلے تو یہ لوگ مسلمانوں پر اپنے دعوائے ایمان کی دھونس جمائے رکھنے کے لیے آگے بڑھ بڑھ کر مطالبہ کر رہے تھے کہ جہاد کے باب میں کوئی واضح حکم نازل نہیں ہوتا لیکن جب ایک سورہ نازل کر دی جاتی ہے اور اس میں نہایت غیر مبہم الفاظ میں جہاد کا ذکر آتا ہے تو جن کے دلوں میں نفاق اور حسد کا روگ ہے وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح وہ شخص دیکھتا ہے جس پر سکراتِ موت کی غشی طاری ہو۔

'يَقُولُ' سے پہلے ہمارے نزدیک عربیت کے معروف قاعدے کے مطابق فعل ناقص محذوف ہے یعنی یہ مدعیانِ ایمان کہتے تھے۔

'الَّذِينَ آمَنُوا' میں فعل دعوائے فعل کے مفہوم میں ہے اور فعل کا اطلاق دعوائے فعل پر عربی میں معروف ہے۔ مثلاً يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النساء: ۱۳۶)

(اے وہ لوگو! جنھوں نے ایمان کا دعویٰ کیا، اللہ اور اس کے رسول پر سچا ایمان لاؤ)۔

وَلَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ کے بعد 'فِی الْجِهَادِ' یا 'فِی الْقِتَالِ' کے الفاظ محذوف ہیں۔ قرآن میں یہ اسلوب بھی معروف ہے کہ اگر ایک چیز کی تفصیل آگے آرہی ہو تو پہلے اس کا ذکر اجمال کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ آگے اسی سورہ کی آیت ۳۶ میں بھی اس کی مثال آرہی ہے۔ لوگوں کے سوالات نقل کرنے میں بھی اجمال کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ (البقرة: ۱۸۹) کے تحت ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے تو یہ لوگ بہت بڑھ چڑھ کر مطالبہ کر رہے تھے کہ صریح الفاظ میں کفار کے خلاف جہاد کا حکم کیوں نہیں نازل ہوتا لیکن اب جبکہ جہاد کا حکم دے دیا گیا اور بالکل قطعی الفاظ میں دے دیا گیا تو یہ مدعیانِ ایمان چھپتے پھرتے ہیں۔

لفظ 'سُوْرَةٌ' لفظ 'کِتَابٌ' کی طرح قرآن کی کسی سورہ کے مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے اور اس کے کسی اہم حکم کے لیے بھی۔ یہاں دونوں معانی بنتے ہیں۔ اس کے ساتھ 'مُّحْكَمَةٌ' کی صفت اس کی قطعیت اور مستغنی عن التاویل ہونے کو ظاہر کر رہی ہے۔ یعنی اس میں نہ کسی قسم کا اجمال و ابہام ہے کہ وہ تعبیر و تاویل کا محتاج ہو، نہ وہ متشابہات کی قسم کی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کی تاویل معلوم نہ ہو۔

رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ۔ 'مَرَضٌ' سے مراد نفاق بھی ہے اور وہ کینہ و حسد بھی جو ان منافقین کے اندر اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھا۔ آگے اسی سورہ کی آیات ۲۹ اور ۳۷ کے تحت اس کی وضاحت آرہی ہے۔ البقرۃ کی تفسیر میں اس کی تحقیق بیان ہو چکی ہے۔

یہاں ان منافقین کی جو تصویر پیش کی گئی ہے یہی تصویر ان کی سورۂ نساء میں بھی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا	تم نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جن سے کہا جاتا
اَیْدِیَكُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ	تھا کہ ابھی اپنے ہاتھ جنگ سے روکے رکھو اور نماز کا
اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ	اہتمام کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو تو جب ان پر جنگ واجب
الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ	کر دی گئی تو ان میں سے ایک گروہ کا حال یہ ہے کہ وہ
النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ	لوگوں سے اس طرح ڈر رہا ہے جس طرح اللہ سے ڈرنا
خَشْیَةً ۚ (النساء: ۷۷)	چاہیے بلکہ کچھ اس سے بھی سوا۔

یعنی جب تک جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا اس وقت تک تو اللہ و رسول کے ساتھ اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا مظاہرہ کرنے کے لیے جہاد کا بڑا ولولہ ظاہر کرتے تھے لیکن جب جہاد کا حکم دے دیا گیا تو اللہ سے زیادہ ان کے اندر آدمیوں کا ڈر سمایا ہوا ہے اور چھپتے پھرتے ہیں۔

'فَاَوْلٰی لَهُمْ' لعنت اور اظہارِ نفرت کا کلمہ ہے۔ اس کا مفہوم وہی ہے جو 'وَیْلٌ لَّهُمْ' کا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان کے دعوے کے ساتھ جب انھوں نے اپنے اندر اس نفاق اور بزدلی کی پرورش کی ہے تو ان پر خدا کی پھٹکار ہو!

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (۲۱)

ایمان کا صحیح تقاضا

یعنی ان کے لیے صحیح روش تو یہ تھی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اس حکم جہاد کا 'سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا' کے قولِ معروف سے خیر مقدم کرتے۔ پھر جب جہاد کا فیصلہ ہو جاتا تو اپنے عمل سے ثابت کر دیتے کہ انھوں نے اپنے رب سے جو عہد باندھا اس میں سچے ہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یہ روش ان کے لیے بہتر ہوتی لیکن انھوں نے اپنے لیے ہلاکت کی راہ اختیار کی۔

'طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ' مبتداء کے محل میں ہے اور خبر یہاں برنبائے قرینہ و بتقاضائے بلاغت محذوف ہے۔ ہم جگہ جگہ عربیت کے اس اسلوب کا حوالہ دیتے آرہے ہیں کہ جب مخاطب کی توجہ پوری طرح مبتدا پر مرکوز کرانی ہو تو خبر کو حذف کر دیتے ہیں۔ 'قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ' سے مراد 'سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا' کا کلمہ ہے۔ اللہ و رسول کے معاملے میں یہی کلمہ دستور اور اہلِ ایمان کی روایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ کے مخلص اور وفادار بندوں نے ہمیشہ اسی کلمہ سے اللہ اور اس کے رسولوں کی ہر بات کا خیر مقدم کیا۔ یہی بات ان کے شایانِ شان بھی تھی جب کہ انھوں نے ایمان کا دعویٰ کیا تھا لیکن ان کا حال یہ ہوا کہ جہاد کا ذکر سنتے ہی ان پر موت کی غشی طاری ہونے لگی۔

'فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ'۔ 'عَزَمَ الْاَمْرُ' کے معنی ہیں معاملے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اس کے لیے اقدام کا تہیہ ہو گیا۔

مطلب یہ ہے کہ ان کے شایانِ شان بات تو یہ تھی کہ جہاد کا ذکر سن کر 'سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا' کے معروف قول سے اس کا خیر مقدم کرتے پھر جب اللہ و رسول کی طرف سے اس کا حتمی اور آخری فیصلہ ہو جاتا تو اپنے عمل سے اس قول کی صداقت کا ثبوت دیتے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اس سورہ کی آیت ۲۰ میں جو حکم دیا گیا ہے اس کی نوعیت حکم جہاد کی نہیں بلکہ جہاد کے لیے تیار رہنے کی ہدایت اور اہلِ ایمان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ عملی اقدام کی نوبت اس کے بعد آئی۔

'فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ' یعنی اب تک تو اللہ کے رسول کے لیے انھوں نے جو کچھ کیا ہے اس کی نوعیت محض دعوے کی ہے۔ اس دعوے کی صداقت کے امتحان کا مرحلہ تو اب آیا تھا۔ اس مرحلے میں اگر یہ اپنے عمل سے ثابت کر دیتے کہ یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو یہ چیز ان کے لیے بہت بڑے خیر کا دروازہ کھولتی لیکن انھوں نے یہ راہ اختیار کرنے کے بجائے اپنے لیے بزدلی کی راہ پسند کی۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ (۲۲)

منافقین کو نصیحت

اوپر کی آیات میں ان منافقین کے رویّے پر جو تبصرہ ہوا ہے وہ تمام تر غائب کے اسلوب میں ہے لیکن اس آیت میں ان سے براہِ راست خطاب ہے۔ اسلوب کی یہ تبدیلی اس موعظت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے ہے جو اس میں ان کو کی گئی ہے۔ فرمایا کہ اگر تم نے اس دعوت سے اعراض کیا تو اس سے تم اپنے آپ کو یا اپنی قوم کو کوئی نفع نہ پہنچاؤ گے۔ بس یہی کرو گے کہ دورِ جاہلیت میں جس فساد فی الارض اور جس قطع رحم و برادرکشی میں مبتلا رہے ہو اسی میں پھر مبتلا ہو جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اسی چیز کے خواہاں ہو تب تو تم آزاد ہو کہ جو راہ چاہو اختیار کرو اور اس کا انجام دیکھو لیکن اگر فساد کی جگہ حقیقی امن و عدل مطلوب ہے اور باہمی تعلقات، کو اخوّت، و مؤدّت کی صحیح بنیاد پر استوار دیکھنے کے خواہاں ہو تو واحد راہ اس کی یہی ہے کہ اس دین کو مستحکم کرنے کے لیے جی جان کی بازی لگاؤ جو شرک، اور قبائلی و گروہی عصبیاتِ جاہلیت کو ڈھا کر تمام بنی آدم کو اللہ کی بندگی و اطاعت اور وحدتِ آدم کے عقیدے پر مجتمع کر رہا ہے۔

امن اور صلح کی اصل راہ

ان منافقین کو خاص اہتمام کے ساتھ خطاب کر کے یہ نصیحت کرنے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ ان کے اندر ایک گروہ ان لوگوں کا بھی تھا جو کفارِ قریش کے ساتھ سمجھوتے کا خواہشمند تھا۔ سورۂ بقرہ میں بھی اس قسم کے ایک گروہ کا ذکر گزر چکا ہے اور اس سورہ کی آیت ۳۵ میں بھی اسی کا ذکر آ رہا ہے۔ یہ لوگ قریش اور یہود کو یہ اطمینان بھی دلاتے رہتے تھے کہ ہم اگرچہ مسلمانوں کے اندر شامل ہیں لیکن بعض معاملات میں ہم آپ ہی لوگوں کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ آگے اسی سورہ کی آیت ۲۶ میں بھی اس گروہ کا ذکر آئے گا۔ یہ لوگ اپنی اس منافقانہ پالیسی پر اس وقت تک تو پردہ ڈالنے میں ایک حد تک کامیاب رہے جب تک جنگ کا مرحلہ سامنے نہیں آیا تھا لیکن جب یہ مرحلہ سر پر آ گیا تو ان کے لیے چھپنے کا موقع باقی نہیں رہا۔ قریش اور ان کے حلیفوں کے خلاف یہ لوگ تلوار اٹھانے پر تیار نہیں تھے اور اب مسلمانوں کے اندر شامل رہنے کے لیے اس چیز سے کوئی مفر باقی نہیں رہا تھا چنانچہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے ان لوگوں نے یہ وسوسہ اندازی شروع کر دی کہ ہم بھائیوں بھائیوں کے اندر خوں ریزی پسند نہیں کرتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اور قریش اور اس ملک کے دوسرے عناصر سب مل جل کر صلح اور محبت کے ساتھ رہیں۔ یہی راہ اصلاح کی ہے۔ اگر اس سے ہٹ کر جنگ کی راہ اختیار کی گئی تو اس ملک میں ایسا فساد برپا ہو جائے گا جس کو دبانا ناممکن ہو گا۔ یہ لوگ اپنی اسی منافقانہ پالیسی کی وجہ سے اپنے کو مصلح اور امن پسند کہتے تھے اور ان کی پوری کوشش یہ تھی کہ مسلمان ان کی یہ پالیسی اپنا لیں تاکہ ان کے نفاق پر پردہ بھی پڑا رہے اور اسلام کے دشمنوں کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ ان کی اسی ذہنیت کو سامنے رکھ کر آیت زیرِ بحث میں فرمایا کہ یہ راہ جو تم نے اختیار کی ہے اور جس کو چاہتے ہو کہ دوسرے بھی اختیار کریں امن اور صلح کی راہ نہیں ہے بلکہ یہ اسی فساد اور برادرکشی کی طرف تمہاری رجعت ہے جس میں تم پہلے مبتلا رہے

ہو۔امن اور اخوت کی راہ یہ ہے کہ سب ایک اللہ کے بندے اور ایک آدمؑ کی اولاد کی حیثیت سے زندگی بسر کریں اور اس نظامِ زندگی کو اپنائیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور آدم کی وحدت کے عقیدے پر قائم ہے اور جس کی دعوت قرآن دے رہا ہے۔ یہ چیز اس جاہلی نظامِ زندگی کو برقرار رکھنے سے حاصل نہیں ہو گی جس میں قبیلہ قبیلہ کا خدا بھی جدا ہے اور ہر ایک کا باوا آدم بھی الگ الگ ہے۔ یہ امر بیان واضح رہے کہ اسلام میں نظامِ اجتماعی کی بنیاد وحدتِ الٰہ اور وحدتِ آدم کے عقیدے پر ہے اس مسئلہ پر سورۂ نساء کی تفسیر میں بحث گزر چکی ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (۲۳)

منافقین کے دل زنگ آلود ہو چکے ہیں

فرمایا کہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کر دی ہے۔ اس لعنت کے اثر سے ان کے کان بہرے اور ان کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو روشنی دکھائی اور یہ بات ان پر اچھی طرح واضح بھی ہو گئی کہ یہ روشنی اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے لیکن یہ لوگ مڑ مڑ کر اپنی اسی جاہلیت کی تاریکی ہی کو دیکھتے اور اسی میں واپس جانے کے متمنی ہیں۔ ان کی اس ناقدری کے سبب سے اللہ نے ان پر لعنت کر دی اور اپنی روشنی ان سے سلب کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ان کے کان حق نیوشی کی صلاحیت سے اور ان کی آنکھیں بصیرت سے محروم ہیں۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (۲۴)

دلوں کا زنگ قرآن کے تدبر سے دور ہوتا ہے

فرمایا کہ دلوں کو زندہ کرنے والی چیز قرآن ہے بشرطیکہ یہ اس پر تدبر کرتے لیکن یہ ناقدرے لوگ کبھی اس پر غور نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دلوں کو جو زنگ لگتے ہیں وہ اس طرح ان کے دلوں پر چڑھ گئے ہیں کہ جس طرح قفل سے دروازے بند ہو جاتے ہیں اسی طرح ان کے دل بھی اس زنگ سے بند ہو چکے ہیں۔

لفظ 'قُلُوبٍ' کی تنکیر یہاں اظہارِ نفرت و کراہت کے لیے ہے۔ اس کی مثال سورۂ نساء کی آیت ۴۷ میں گزر چکی ہے۔ وہاں اہلِ کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: 'آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا' (ایمان لاؤ اس چیز پر جو ہم نے اتاری ہے تصدیق کرتی ہوئی اس چیز کی جو تمہارے پاس موجود ہے، قبل اس کے کہ ہم چہروں کو مٹا کر ان کے پیچھے کی طرف موڑ دیں) یہاں جس طرح 'وُجُوهًا' کی تنکیر اظہارِ نفرت و کراہت کے لیے ہے اسی طرح آیتِ زیرِ بحث میں لفظ 'قُلُوبٍ' کی تنکیر بھی اظہارِ کراہت کے لیے ہے۔ گویا یہ دل ایسے قابلِ نفرت اور گھناؤنے ہیں کہ متکلم کو تعین کے ساتھ ان کی طرف اشارہ بھی گوارا نہیں۔

'أَقْفَالُهَا' سے مراد وہ چیزیں ہیں جو دلوں کو روگ یا زنگ کی طرح لگتی ہیں۔ اس قسم کے روگوں کا ذکر اس سورہ میں بھی ہوا ہے (مثلاً اوپر آیت ۲۰ اور آگے آیت ۲۹ میں) اور قرآن کے دوسرے مقامات میں بھی ان کا ذکر تفصیل سے موجود ہے۔ دنیا کی محبت، موت کا ڈر، بخل، بزدلی، کینہ، حسد، نفاق

اور اس قبیل کی دوسری چیزیں اس کے نمایاں اجزاء ہیں۔ اگر ریاست و امارت حاصل ہو تو کبر و غرور کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور قساوت بھی اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ ان بیماریوں کا علاج قرآن کو سننا اور سمجھنا ہے، جیسا کہ سورۂ انفال کی آیات ۲۳ - ۲۴ کے تحت اس کی وضاحت ہو چکی ہے لیکن اس طرح کے لوگوں کو سب سے زیادہ وحشت قرآن ہی سے ہوتی ہے۔ اس وجہ سے ان کا علاج ناممکن ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰی لَهُمْ (۲۵)

نفاق ارتداد ہے

فرمایا کہ ان منافقین کی یہ روش ارتداد کی روش ہے۔ ان پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ راہِ حق یہی ہے جس کی طرف پیغمبر دعوت دے رہے ہیں۔ چنانچہ آگے بڑھ کر انھوں نے اس کو قبول بھی کر لیا لیکن جب آزمائشوں سے سابقہ پڑا تو شیطان نے ان کو فریب دیا اور یہ اس کے فریب میں مبتلا ہو گئے اور خدا نے بھی ان کو ڈھیل دے دی اس لیے کہ جو لوگ جان بوجھ کر محض اپنی خواہشوں کی پیروی میں راہِ حق سے انحراف اختیار کرتے ہیں اللہ ان کو ڈھیل دے دیتا ہے کہ وہ جس وادی میں ہرزہ گردی کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔

نفاق کا ارتداد ہونا قرآن کے دوسرے مقامات سے بھی واضح ہے۔ سورۂ مائدہ آیت ۵۴ میں انھی منافقین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: 'یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗٓ' (اے ایمان لانے والو! جو تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہونا چاہتا ہے وہ برگشتہ ہو جائے، خدا کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور جو اس سے محبت کریں گے)۔

'اَمْلٰی' کا فاعل یہاں اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن میں یہ فعل اللہ تعالیٰ ہی کے لیے استعمال ہوا ہے اور اسی کے لیے اس کا استعمال موزوں ہے۔ شیطان کی طرف اس کی نسبت کسی طرح موزوں نہیں ہے۔ قرینہ موجود ہو تو مجرد فعل ہی بتا دیتا ہے کہ اس کا فاعل کون ہے۔ اس کی متعدد نظیریں قرآن میں موجود ہیں۔ سورۂ یوسف کی آیت ۱۱۰ پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ (۲۶)

منافقین کے راندۂ درگاہ ہونے کا سبب

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وجہ سے شیطان کے حوالہ کر دیا کہ حق کے اچھی طرح واضح ہو چکنے کے بعد بھی ان کا ساز باز اسلام کے ان دشمنوں کے ساتھ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب سے سخت نفرت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کو اطمینان دلاتے ہیں کہ بعض معاملات میں ہم آپ ہی لوگوں کا ساتھ دیتے

رہیں گے۔ وَالَّذِیْنَ کَرِھُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ سے اشارہ یہود اور قریش کے لیڈروں کی طرف ہے جن کی اسلام کے ساتھ دشمنی بالکل واضح تھی لیکن یہ منافقین ان کو اطمینان دلاتے رہتے تھے کہ ہرچند ہم مسلمانوں میں شامل ہو گئے ہیں لیکن اس کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ اب آپ لوگوں کے ساتھ ہمارا کوئی رابطہ باقی ہی نہیں رہا۔ اگر آپ لوگوں پر کوئی مشکل وقت آیا تو آپ دیکھیں گے کہ ہم آپ ہی کا ساتھ دیں گے اور اس معاملے میں ہم کسی کی بھی خوشی یا ناخوشی کی پروا کرنے والے نہیں ہیں۔ انہی منافقین کے متعلق سورۂ حشر میں بیان ہوا ہے کہ یہ یہود کے پاس جا جا کر ان کو اطمینان دلاتے ہیں کہ اگر آپ لوگ یہاں سے نکالے گئے تو ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ نکل جائیں گے اور آپ کے معاملے میں ہرگز کسی کی بات کا لحاظ نہیں کریں گے۔ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا (الحشر: ۱۱) (اگر آپ لوگ نکالے گئے تو آپ لوگوں کے ساتھ ہم بھی نکلیں گے اور آپ لوگوں کے بارے میں ہم کسی کی بات بھی کبھی ماننے والے نہیں ہیں)۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِسْرَارَھُمْ۔ 'اسرار' سے مراد ان کا یہی ساز باز ہے جس کی طرف، اوپر والے ٹکڑے میں اشارہ ہوا ہے اور یہ جملہ مجرد خبر کا نہیں بلکہ تہدید و وعید کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ان رازداریوں سے اچھی طرح واقف ہے اور اس کا انجام عنقریب ان کے سامنے آئے گا۔

فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ (۲۷)

منافقین کا حال موت کے وقت

یہ ان کا انجام بیان ہوا ہے کہ اسلام کے خلاف اس طرح کی سازشیں کرنے والوں کو ان کے جرم کی سزا اسی وقت سے ملنی شروع ہو جاتی ہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے آتے ہیں تو یہ لوگ سوچ لیں کہ اس وقت یہ کیا کریں گے جب خدا کے سخت گیر فرشتے ان کی روحیں ان کے موہنوں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوئے قبض کریں گے اور کوئی بھی ان کی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰہَ وَکَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ (۲۸)

یعنی ان لوگوں کے ساتھ یہ خاص معاملہ اس وجہ سے ہوگا کہ ان کی ساری بھاگ دوڑ اللہ تعالیٰ کی مخالفت میں رہی ہے۔ جو باتیں اللہ کو ناراض کرنے والی تھیں وہ انھوں نے اختیار کیں اور جو کام اس کو خوش کرنے والے تھے ان سے یہ بیزار رہے۔ اس کی پاداش میں فرشتے ان کی موت کے وقت ہی سے ان پر عذاب کی مار شروع کر دیں گے اور ان کے وہ سارے اعمال اللہ تعالیٰ حبط کر دے گا جو انھوں نے اسلام کے دعوے کے ساتھ بظاہر نیکی کے کیے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰہُ اَضْغَانَھُمْ (۲۹)

منافقین کا پردہ اللہ چاک کر کے رہے گا

یہ بھی ان کو دھمکی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ ریشہ دوانیاں جو کر رہے ہیں تو کیا ان کا گمان ہے کہ ان حرکتوں پر ہمیشہ پردہ ہی پڑا رہے گا، کبھی اللہ ان کو بے نقاب نہیں کرے گا؟ اگر

ان کا گمان یہ ہے تو بالکل غلط ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان کے چہرے کی نقاب الٹ دی جائے تاکہ سب ان کو اچھی طرح پہچان لیں، کسی کو یہ فریب میں مبتلا نہ کرسکیں۔

'مَرَضٌ' سے مراد نفاق بھی ہے اور کینہ و حسد بھی جو ان منافقین کے اندر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھا اور جس کے سبب سے وہ ان حرکتوں کا ارتکاب کرتے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ نفاق بجائے خود بھی مرض ہے لیکن یہ مرض شدید تر ہوجاتا ہے جب اس کے اوپر حسد اور کینہ کا اضافہ ہوجائے۔ یہاں لفظ 'اَضْغَان' سے اسی حسد اور کینہ کی طرف اشارہ ہے۔ 'اَضْغَان' جمع ہے 'ضِغْن' کی جس کے معنی کینہ کے ہیں۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ (۳۰)

لفظ 'لَحْن' توریہ کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی آدمی بات اس طرح کرے کہ اپنے دل میں تو اس کا مفہوم کچھ اور رکھے لیکن دوسرے کو اس کا کچھ اور مفہوم سمجھانے کی کوشش کرے۔ منافقین اس فن میں بڑے مشاق تھے وہ بات ایسے ہیر پھیر سے کرتے کہ کفار اور مسلمانوں دونوں کو بیک وقت یہ باور کرانا چاہتے کہ ان کی تمام ہمدردیاں انہی کے ساتھ ہیں۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے منافقین کو دھمکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ ذرا مشکل نہیں ہے کہ ان کو اس طرح بے نقاب کردے کہ تم ان میں سے ہر ایک کو اس کی خاص علامت امتیاز سے پہچان جاؤ کہ یہ منافق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کر رہا ہے تو یہ اس کی ستاری ہے تاہم تمہارے لیے ان کا پہچان لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ تم ان کی باتوں کے ایچ پیچ، ان کے کلام کے دورُخے پن اور ان کے لہجہ کے تذبذب سے ان کو نہایت آسانی سے تاڑ سکتے ہو۔

'وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ' یہ اسی سیاق میں منافقین کو براہ راست خطاب کرکے فرمایا کہ اگر تم مسلمانوں کو اپنے کلام کے دورخے پن سے دھوکا دینے میں کامیاب بھی ہوجاؤ تو یہ کامیابی تمہارے لیے کوئی خوش انجام چیز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے ہی اور جب وہ باخبر ہے تو تم دوسروں سے چھپا کر کیا فائدہ اٹھا سکو گے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ (۳۱)

کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کے لیے امتحان

یعنی مختلف قسم کے نرم و گرم حالات کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ لازماً تمہارا امتحان کرے گا یہاں تک کہ وہ اچھی طرح پرکھ لے گا کہ تمہارے اندر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے کون ہیں اور کون محض زبان کے غازی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ تو نہیں ہے کہ وہ ہر منافق کی پیشانی پر لکھ دے کہ یہ منافق ہے لیکن اس کی یہ سنت بالکل لازمی اور قطعی ہے کہ وہ مختلف

امتحانات کے ذریعہ سے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کرتا ہے اور یہ بات چونکہ اس کی سنت کا تقاضا ہے اس وجہ سے اس امتحان سے تمھیں بھی لازماً گزرنا پڑے گا اور وہ لوگ اپنے کو زیادہ دنوں تک چھپائے رکھنے میں کامیاب نہیں ہوں گے جو محض فریب کے جامے میں مسلمانوں کے اندر گھسے رہنا چاہتے ہیں۔

اس آیت پر تدبر کی نگاہ ڈالیے تو اس سے اشارۃً یہ بات بھی نکلی کہ ان امتحانوں کا اصل مقصد تو مجاہدین و صابرین کو ممیز کر دینا ہے لیکن اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر ان لوگوں کے حالات بھی کسوٹی پر آ جائیں گے جو محض فریب سے اپنے آپ کو اس زمرے کے اندر گھسائے رکھنے کے خواہشمند ہیں۔ 'وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ' میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ 'اخبار' سے مراد ان کے حالات ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس لیے بلوتا ہے کہ ان کے اندر جو کھوٹ ہے وہ نکل کر سامنے آ جائے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ چھپا چھپ بھی سامنے آ جاتا ہے۔

یہ امتحان چونکہ سنتِ الٰہی کا تقاضا ہے اس وجہ سے اس کا بیان لامِ تاکید کے ساتھ ہوا ہے۔ اور 'عَلِمَ یَعْلَمُ' کے معنی یہاں پرکھنے اور امتیاز کرنے کے ہیں۔ اس کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ (۳۲)

منافقین کو تنبیہ

یہ سورہ کے آخر میں اس مضمون کا پھر اعادہ فرمایا ہے جس سے سورہ کا آغاز ہوا تھا اور مقصود اس کے اعادے سے، جیسا کہ آگے کے مضمون سے واضح ہوگا، منافقین کو متنبہ کرنا ہے کہ اللہ اور رسول سے جو زور آزمائی کفار کر رہے ہیں اس سے وہ اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے بلکہ یہ خود منہ کی کھائیں گے۔ ان کی تمام کوششیں اس دنیا میں بھی رائگاں ہو کے رہیں گی اور آخرت میں بھی یہ خوار ہونے والے ہیں۔ تو ان کے پیچھے لگ کر تم اپنی دنیا اور آخرت برباد نہ کرو بلکہ پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم نے کمزوری نہ دکھائی تو اللہ تمہی کو سربلند کرے گا اور یہ مخالفین ذلیل و خوار ہوں گے۔

کفارِ قریش اور ان کے حلفاء کی تباہی لازمی ہے۔

'اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'، کے الفاظ دلیل ہیں کہ یہاں قریش اور ان کے حلفاء مراد ہیں۔ آیت ا میں بھی انہی الفاظ سے ان کا ذکر ہوا ہے۔ 'وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی' انہی کی تعریف مزید ہے کہ ان پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ اللہ کا رسول ان کو جس دین کی دعوت دے رہا ہے وہ بالکل حق ہے لیکن یہ محض اپنی سیادت کے زعم میں اس کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی یہ مخالفت اللہ کے دین کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی البتہ یہ خود اپنے کو تباہ کر لیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ اللہ کے رسول کو اس کا رسول جانتے ہوئے اور اس کی دعوت کو پہچانتے ہوئے اس کی مخالفت کے لیے اٹھے ہیں تو ان کا یہ بناوٹی دم خم کتنی دیر تک ان کا ساتھ

دے گا۔ بالآخر یہ ڈگ ڈال دیں گے اور ذلیل ہوں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (۳۳)

خدا کی اطاعت اپنے ذاتی مصالح سے بالاتر ہو کر کرو

خطاب اگرچہ عام ہے لیکن اندازِ کلام دلیل ہے کہ روئے سخن خاص طور پر ان کمزور قسم کے مسلمانوں ہی کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ فرمایا کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمھارے اس ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ قرینہ دلیل ہے کہ یہاں فعل 'اَطِیْعُوْا' اپنے کامل اور حقیقی مفہوم میں ہے اس وجہ سے اس کا صحیح مدعا یہ ہوگا کہ ہر طرح کے حالات میں اپنے ذاتی مفادات و مصالح سے بے پروا ہو کر، اللہ اور رسول کے ہر حکم کی اطاعت کرو۔

'وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ' یعنی اسی طرح کی اطاعت سے تمھارے اعمال مثمر اور نتیجہ خیز ہوں گے۔ اگر تم نے اس اطاعت کو اپنے مصالح کے تابع رکھا تو یاد رکھو کہ تمھارے تمام اعمال برباد ہو جائیں گے اگرچہ وہ اعمال دین ہی کے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایمان صرف وہی قبول ہوتا ہے جو اس کے شرائط کے مطابق ہو، جو لوگ اپنے شرائط پر ایمان لانا اور صرف اپنے مصالح کے حد تک اس کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں ان کی دینداری ان کے منہ پر پھینک ماری جاتی ہے تو اس طرح کی کوئی بات کر کے اپنے اعمال رائگاں نہ کرو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ (۳۴)

یعنی ان کافروں کو اللہ تعالیٰ کبھی بخشنے والا نہیں ہے جنھوں نے خود بھی کفر کی راہ اختیار کی اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا اور پھر اسی کفر پر جمے ہوئے مر گئے۔ مطلب یہ ہے کہ یہی انجام ان لوگوں کا بھی ہونا ہے جو ان کا سہارا لیں گے اور ان کے ساتھ اپنی دوستی برقرار رکھنے کے لیے سازشیں کریں گے۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۖ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۖ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ (۳۵)

اپنی بزدلی پر پردہ ڈالنے کے لیے منافقین کی ایک تدبیر

'سَلْم' کے معنی صلح اور سمجھوتے کے ہیں۔ اوپر آیات ۲۲، ۲۳ کے تحت ہم ذکر کر آئے ہیں کہ منافقین چونکہ جنگ کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے اس وجہ سے صلح اور سمجھوتے کی باتیں بہت کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو بھی مشورہ دیتے کہ جنگ کے بجائے صلح سے معاملات طے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہی دعوت وہ قریش کو بھی دیتے۔ وہ اپنے آپ کو ایک صلح پسند پارٹی کی حیثیت سے پیش کرتے اور لوگوں کو یہ تاثر دیتے کہ یہی پالیسی اختیار کرنے میں اس ملک کی خیر ہے ورنہ یہاں بھائیوں کا خون بھائیوں کے ہاتھوں بہے گا اور پوری قوم کا شیرازہ ابتر ہو جائے گا۔ ان کی یہ پالیسی مبنی تو تھی تمام تر ان کی بزدلی اور مفاد پرستی

پر لیکن وہ اس کی دعوت صلح پسندی، در امن دوستی کے روپ میں دیتے اور ان لوگوں کو متاثر کر لیتے جن کے اندر نفاق کے جراثیم ہوتے۔ اس آیت میں ان کی اسی کمزوری سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ تم بزدل ہو کر صلح اور سمجھوتے کے داعی نہ بنو بلکہ عزم و ایمان کے ساتھ جہاد کے لیے اٹھو۔ اگر تم سچے ایمان کے ساتھ جہاد کے لیے اٹھو گے تو تمہی سربلند رہو گے اور تمہارے دشمن ذلیل و خوار ہوں گے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے اور جب اللہ تمہارے ساتھ ہے تو اس کی مدد و نصرت ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوگی اور یہ اطمینان رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال کے صلہ کے معاملے میں کوئی خلاف وعدگی بے وفائی ہرگز نہیں کرے گا بلکہ تمہارے ہر عمل کا، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، بھرپور صلہ دے گا۔

زبان کا ایک نکتہ

'فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ' میں عربیت کا وہی اسلوب ہے جو البقرۃ کی آیت ۴۲ 'وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ' کے تحت زیر بحث آ چکا ہے۔ جہاں معطوف اور معطوف علیہ دونوں میں ایک ہی حقیقت ظاہر کی گئی ہو وہاں لائے نفی کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی صورت آیت زیر بحث میں بھی ہے۔ ان منافقین کی یہ دعوتِ صلح چونکہ ان کی بزدلی ہی کا نتیجہ تھی اس وجہ سے 'تَدْعُوا' کو 'فَلَا تَهِنُوا' پر عطف کر دیا اور 'لَا' کو حذف کر دیا تاکہ اسلوب کلام ہی سے یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ دعوتِ صلح اس لیے نہیں دے رہے ہو کہ تم بڑے صلح پسند ہو بلکہ یہ محض اپنی بزدلی پر پردہ ڈالنے کی ایک ناکام سعی ہے۔

'وَتَرَهُ حَقَّهُ' کے معنی ہوں گے کہ اس نے اس کے حق میں خیانت یا کمی کی۔ 'لَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ' کے معنی ہوں گے کہ اللہ سے یہ اندیشہ نہ رکھو کہ وہ تمہارے اعمال کے صلہ کے باب میں تمہارے ساتھ کوئی بے وفائی یا خیانت کرے گا بلکہ وہ بھرپور صلہ دے گا۔ جب ہر عمل کا بھرپور صلہ ملنے والا ہے تو اس کی راہ میں قربانی سے جی چرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

إِنَّمَا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ (۳۶)

بے حوصلہ لوگوں کی حوصلہ افزائی

یعنی دنیا کی محبت میں پھنس کر خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے دریغ نہ کرو۔ اس دنیا کے مال و متاع کی قدر و قیمت اگر کچھ ہے تو اسی شکل میں ہے جب اس سے آخرت کی کچھ کمائی کر لی جائے اگر کسی نے آخرت کی کمائی نہیں کی تو اس نے اپنی زندگی لہو و لعب و بے حاصلی میں گزار دی۔ اطمینان رکھو کہ اگر تم ایمان اور تقویٰ کی زندگی اختیار اور اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرو گے تو یہ خسارے کا سودا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کا بھرپور صلہ دے گا اور تم اس دنیا کے خزف ریزوں کے عوض ابدی بادشاہی کا تخت و تاج حاصل کرو گے۔

'وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ' کے بعد لفظ 'احفاءً' محذوف ہے۔ بعد والی آیت میں اس کی وضاحت آ رہی

ہے اس وجہ سے یہاں بربنائے قرینہ اس کو حذف کر دیا۔ تفصیل سے پہلے اجمال کا اسلوب قرآن میں بہت معروف ہے۔ سوالوں کے نقل کرنے میں بھی اسی وجہ سے اجمال کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ جواب سے اس اجمال کی وضاحت خود ہو جاتی ہے۔ 'اِحْفَاءٌ' کے معنی کسی شے کو سمیٹ کر پوری کی پوری لے لینے یا کسی شے کا الحاح و اصرار کے ساتھ مطالبہ کرنے کے ہیں۔ یہ ان بے حوصلہ لوگوں کو اطمینان دہانی ہے کہ مطمئن رہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس امتحان میں کبھی نہیں ڈالے گا کہ تم سے تمھارا کل مال سمیٹ کر طلب کرے بلکہ وہ اس کا ایک حصہ ہی طلب کرے گا اور اس کا بھی وہ تمھیں بھرپور صلہ دے گا تو اس کی راہ میں انفاق سے ہراساں ہونے اور اس کی دعوتِ انفاق سے تنگ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ (۳۷)

اللہ تعالیٰ بندوں کا امتحان لینے میں نہایت کریم ہے

یعنی اللہ تعالیٰ تم سے تمھارے کل مال کا مطالبہ اس وجہ سے نہیں کرے گا کہ وہ ایسا کرے تو تمھارا سارا کھانڈا پھوٹ جائے گا۔ پھر تم لازماً بخل کرو گے اور اس طرح تمھارا وہ حسد اور کینہ جو تم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہو سب پر آشکارا ہو جائے گا۔ اوپر آیت ۲۹ میں ان منافقین ہی کے لیے یہ دھمکی گزر چکی ہے کہ یہ اس مغالطہ میں نہ رہیں کہ اللہ ان کے حسد و کینہ پر ہمیشہ پردہ ڈالے رکھے گا۔ وہ ان کو کسی آزمائش میں ڈال کر جب چاہے ان کا سارا پول کھول دے۔ وہی بات یہاں دوسرے پہلو سے ارشاد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سے یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ اپنا سارا مال یا اس کا بہت بڑا حصہ اس کے حوالہ کر دو اس لیے کہ یہ مال اسی کا عطا کردہ ہے لیکن وہ ایسا اس لیے نہیں کرتا کہ اس طرح کے امتحان سے ان لوگوں کا سارا بھرم کھل جائے گا جن کی بخالت اور نفاق پر ابھی پردہ پڑا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس کریمی کے شکر گزار رہو کہ اس نے تمھیں اس قسم کے کسی کڑے امتحان میں نہیں ڈالا ورنہ وہ چاہے تو ابھی تمھارے چہرے کی نقاب نوچ کر پھینک دے۔

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (۳۸)

بخیلوں کو دھمکی

'هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ' کے اسلوب کی تحقیق اس کے محل میں گزر چکی ہے۔ یہ ان منافقین کے حال پر افسوس اور حسرت کا اظہار ہے کہ تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کی جو دعوت دی جاتی ہے تو تم بخالت کر رہے ہو گویا کسی اور کو دے رہے ہو حالانکہ خدا سے بخالت کرنا خود اپنے سے بخالت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے مانگتا ہے تو اپنے لیے نہیں بلکہ تمھارے ہی لیے مانگتا ہے کہ وہ اس کے صلہ میں تم کو ابدی بادشاہی بخشے۔ اللہ بالکل بے نیاز ہے، محتاج اگر ہو تو تم ہو، اللہ محتاج نہیں ہے۔

'وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ' یہ ان منافقین کو دھمکی ہے کہ تمھارا

یہ روش ارتداد کی روش ہے۔ اگر تم ارتداد کی راہ اختیار کرنی چاہتے ہو تو جاؤ کرو۔ اللہ کو تمھاری کوئی پروا نہیں ہے، وہ تمھاری جگہ دوسروں کو اپنے دین کی خدمت کے لیے اٹھائے گا جو تمھاری طرح ہیز اور نکمّے نہیں ہوں گے۔ سورۂ مائدہ میں یہی بات اسی قسم کے منافقین کو خطاب کر کے یوں فرمائی گئی ہے: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ (۵۴) (اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! جو تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہو جائیں گے تو برگشتہ ہو جائیں اللہ کو ان کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور جو اس سے محبت کریں گے، وہ اہل ایمان کے لیے نرم خو اور کفار پر گراں ہوں گے)۔

سورۂ مائدہ کی اس آیت کی روشنی میں "ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ" کے اجمال کی وضاحت کیجیے تو مطلب یہ ہوگا کہ تم تو اللہ سے عناد رکھنے والے اور اس کی رضا طلبی سے بیزار ہو اس وجہ سے خدا بھی تم سے بیزار ہے۔ تمھارے برعکس وہ اللہ سے محبت کرنے والے اور اس کی رضا مندی کے طالب ہوں گے اس وجہ سے اللہ بھی ان سے محبت کرے گا۔ تمھارا حال تو یہ ہے کہ تم کفار کے لیے بہت ہی نرم چارہ ہو، تم ان سے دوستی کے طالب ہو اور وہ تم کو جس طرح چاہتے ہیں اپنے اغراض کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ برعکس اس کے وہ اہل ایمان کے لیے تو بے شک نہایت ہی کریم اور نیک خو ہوں گے لیکن کفار اگر ان کے اندر انگلی دھنسانے اور ان کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کریں گے تو ان کو پتھر کی چٹان پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کی توفیق بخشی سے ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

رحمان آباد
۹ر ستمبر ۱۹۷۶ء
۱۳ر رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ